بسم اللہ الرحمن الرحیم

خواب سے لپٹی کہانیاں

باذوق لوگوں کے لیے
ہماری کتابیں
خوبصورت کتابیں
تزئین واہتمام اشاعت

خالد شریف

All rights reserved with the author.
Permission may be taken from writer/ publisher to reproduce anything contained in this book.

Writer's contact:
rubyfaisal@hotmail.com
Ph: +4168762197

ضابطہ

اشاعت	:	2016
ناشر	:	ماورا پبلشرز، لاہور
طابع	:	شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور
قیمت	:	600/- روپے
کینیڈا میں	:	20ڈالر

خوبصورت کتب کی اشاعت کے لیے رابطہ
MAVRA BOOKS
60-The Mall, Lahore.
Ph: 92 42 36303390
Mob: 0300-4020955
e-mail: mavrabooks@yahoo.com

خواب سے لپٹی کہانیاں

روبینہ فیصل

انتساب

سارہ، ثنا اور اقراء کی ہمت

کے نام

جن کو زندگی کا سفر ماں کی چھاؤں کے بغیر طے

کرنا ہے۔

روبینہ فیصل

ترتیب

☆ دیباچہ روبینہ فیصل ، ۹

افسانے

۱۔ محبت کی آخری کہانی ، ۱۳

۲۔ حلال بیوی ، ۲۷

۳۔ نیا جنم ، ۳۶

۴۔ تنہائی کے بیوپاری ، ۵۰

۵۔ کلیسا میرے آگے ، ۷۰

۶۔ لایموت ، ۸۶

۷۔ جھوٹے وعدوں کی کرچیاں ، ۹۶

۸۔ کینیڈا کی لڑکیاں۔۔اُوں ہوں!! ، ۱۱۳

۹۔ ناشکری ، ۱۳۱

۱۰۔ وہ دردیں ، ۱۵۰

۱۱۔ کہانیوں کی کتاب!! ، ۱۶۴

۱۲۔ اپنے آنگن کے اجنبی ، ۱۷۹

۱۳۔ موت کے بعد رہ جانے والا گھر ، ۱۹۳

۱۴۔ بدرنگ صوفہ ، ۱۹۸

۱۵۔ سبق!! ، ۲۱۱

۱۶۔ برف ، ۲۲۰

۱۷۔ قصور کے کھُسے ، ۲۳۲

۱۸۔ تیرھواں سال ، ۲۴۲

دیباچہ

ہر انسان کے اندر کہانیاں دبی ہوتی ہیں، ہر کہانی پر ایک کتبہ لگا ہوتا ہے جس پر کردار کا نام کھدا ہوتا ہے، ان کہانیوں کو ان کے کرداروں سمیت قبروں سے نکالنے کے لئے گورکن کی سی بہادری اور ہمت چاہیئے۔ اور کبھی کبھار ایک سے زائد کہانیاں اجتماعی قبر میں آپس میں جپھیاں ڈال کے ایسے بیٹھی ہوتی ہیں، جیسے اون کا الجھا ہوا گولہ۔ اس کی ڈوریوں کو ایک دوسرے سے الگ الگ کر کے انہیں نام دینا، کردار دینا اور سمت دینا، کانٹوں بھرا سفر ہے۔ اور سب سے بڑی مصیبت یہ ہو جاتی ہے کہ ان اُلجھی ہوئی ڈوروں میں اس کی اپنی زندگی کی ڈور بار بار اُلجھتی جاتی ہے اور کئی دفعہ وہ اپنی ذات کی ڈور کی گتھی سلجھانے میں ایسا اُلجھتا ہے کہ باقی کہانیوں کی ڈور اس کے ہاتھوں سے پھسل کر پھر سے قبر کے اندھیرے میں اُتر جاتی ہے۔ اپنی ذات کو ان کہانیوں سے الگ رکھنا جان جوکھم کا کام ہے مگر جب یہ ہو جاتا ہے تو ایک شاہکار کہانی کا جنم ہوتا ہے۔

میں نے پاکستان اور کینیڈا میں بکھری اپنے ہی لوگوں کی کہانیاں اکٹھی کیں جو کسی نہ کسی طرح میرے سامنے آ کھڑی ہوئی تھیں اور مجھے اتنا تنگ کرتیں کہ میں راتوں کو سو نہیں پاتی تھی۔ اس کتاب میں شامل کچھ کہانیاں کئی سال پہلے کی لکھی ہوئی ہیں اور کچھ بالکل تازہ ہیں۔

کہانیوں کے اس سفر میں میری اپنی ذات کو درپیش سفر بھی شامل ہے اور یہ سب مل جل کے کیا بنا ہے، میں نہیں جانتی۔ میں نے فقط ایمانداری سے (جو میری ذات کا حصہ

ہے) اس سچ کو چاہے وہ کڑوا ہے یا میٹھا اپنے اندر سے نکال باہر کیا ہے، اب یہ پڑھنے والوں کے سپرد۔

کالم نگاری کے ۱۵ سالوں میں، ان گنت کالم تو لکھ ڈالے مگر زیادہ افسانے نہ لکھ پائی گو کہ افسانہ لکھنا میرے خون میں شامل ہے اور جب کبھی میں سوچتی ہوں کہ خدا مجھ سے کیا کام لینا چاہتا ہے تو بچپن سے آج تک ایک ہی جواب اندر سے آتا ہے" کہانی لکھوانا چاہتا ہے" ۔ اس کتاب میں شامل 18 افسانے شائد میرے اسی سفر کا آغاز ہیں جس کا بیج قدرت نے میرے اندر رکھ دیا ہے۔

"خواب سے لپٹی کہانیاں" میرا پہلا افسانوی مجموعہ ہے ۔ ان میں محبت ہے، ڈھیروں خواب ہیں، موت ہے، جدائی ہے، بے وفائی ہے اور وقت کی ستم ظریفی ہے۔ یہ موضوع نئے نہیں ہیں لیکن حالات اور کردار نئے ہونے کی وجہ سے، مجھے ہر کہانی نئی لگی ہے۔ میں ڈر کر یا دب کر یا ڈپلومیسی سے نہیں لکھنا چاہتی تھی۔ اس لئے میں نے حساس اور بولڈ موضوعات کو بھی چنا ہے، میں نے ایسی باتوں کے مقام پر جا کر بھی دیکھا ہے جہاں جانے سے عام انسانوں کے پر جلتے ہیں۔

زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بہادری سے دیکھنے کا ہنر مجھ میں میری امی کی طرف سے آیا ہے۔ میں نے انہیں مشکل سے مشکل حالات میں بھی زندگی کو وقار اور عزت کے ساتھ گزارنے کی تدبیریں نکالتے دیکھا ہے۔ اخبار کی ردی کو جلا کر گھر میں روشنی کرنے اور اسی ردی کو بیچ کر ہمارے لئے پھل منگوانے تک، زندگی کی جنگ میں مردانہ وار لڑنے اور بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوانے تک، ہمت کی ایک داستان میرے سامنے کھڑی رہی اسی لئے کمزور عورتوں کی کہانیاں لکھنا میرے لئے بہت مشکل تھا۔ مگر یہی وہ وقت ہوتا ہے جب گورکن کو اپنا آپ نہیں، زمین کھودنی ہوتی ہے۔

سارہ ثنا جو میری بھانجیاں ہیں اور اقرا جو میری دوست کی بیٹی ہے (اور اب مجھے ماں کہتی ہے)، ان کے زندگی کے سفر جب ماؤں کے بغیر تصور کرتی ہوں تو کانپ جاتی ہوں۔ ماں کے بغیر کوئی کیسے زندگی گزار سکتا ہے؟ میں تو آج بھی ہر خوشی غمی میں امی کی طرف دیکھتی ہوں، فرق یہ ہے کہ پہلے آنسو بہتے تھے تو زخم ہتھیلی پر رکھ کر ان کو دکھا دیتی تھی۔ اب ان کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھنے کے لئے اپنی ہتھیلی کو اپنے ہی دوسرے ہاتھ سے ڈھانپ لیتی ہوں کہ مبادا کسی اور کی بھی نظر نہ پڑ جائے۔

میرے ابو نے ہمیشہ میری تحریروں کو غور اور شوق سے پڑھا۔ میری حتی الامکان اصلاح کی، وہ سکول ٹیچر اور اچھے مقرر تھے، مزاح، محبت اور جذباتیت کے ساتھ ساتھ ابو سے یہ صلاحتیں بھی لے لیں۔ ان کا سایہ ہمارے سر پر ہمیشہ رہے۔

فیصل محمود، میرے شوہر کا تعاون حسبِ معمول میرے ساتھ ہے۔ میری ہر تحریر کو شوق سے پڑھتے ہیں اور ان کا یہ شوق مجھے مزید لکھنے پر اکساتا ہے، کیوں نہ ہو ایک بھی سچا قاری مل جائے تو لکھنے والے کو زندگی مل جاتی ہے۔ خدا کرے یہ زندگی میرے ساتھ ایسے ہی رہے۔ میرے بہن بھائیوں کا پیار ہمیشہ میرے ساتھ رہا اللہ ان کو زندگی میں کامیابیاں دے۔ اپنی ایک بہادر اور پیار کرنے والی بہن کو کھو دینے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ یہ بہن بھائی کیسی پیاری نعمتیں ہوتے ہیں۔ آپ ان سے لڑتے ہیں، ان سے روٹھتے ہیں مگر ان کے بغیر آپ کی خوشی بھی ادھوری اور غم بھی۔

ہادی، علینہ، عبداللہ اور احمد میری زندگی کی روشنی ہیں۔ میرے چار ستارے اور میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے میرے سب سے اچھے دوست۔ جب ساری دنیا خوشی اور سکون کو پیسوں کے ترازو میں تول رہی ہے ایسے میں میرے بچوں نے سچی خوشی کا منبع ڈھونڈ لیا ہے۔ جب کوئی مجھ پر تنقید کرتا ہے کہ اس لکھنے لکھانے کے کھیل میں دنیاوی اعتبار سے کتنا

فائدہ ہے، اور میں کبھی کبھار اس سوال سے پریشان ہو کر سوچتی ہوں اپنے پرانے پیشے بنکنگ کو دوبارہ جوائن کر ہی لوں تو ایسے میں میری بیٹی علینہ مجھے چپکے سے کہتی ہے mama do whatever gives you satisfaction, dont think in material term its not "you" so just b youself.

عمران علی کی مشکور ہوں جس نے ہمیشہ بے غرضی سے میرا ساتھ دیا۔ اگر میں یہ کہوں کہ میرے افسانوں کو کتابی شکل میں لانے میں اس کا ہی ہاتھ ہے تو غلط نہیں ہوگا۔ میں سدا کی سست، مگر یہ عمران کا خلوص اور لگن تھی کہ اس نے مجھے بار بار کہہ کر اسے مکمل کروایا۔ **ماورا** پبلشرز کے دفتر میں جا جا کر میری کہانیوں کی فارمیٹنگ ہوتی دیکھی اور ایسی ہی خوشی محسوس کی جیسے کوئی اپنی تخلیق کو دیکھ کر کرتا ہے۔ میں خوش قسمت ہوں کہ نفسانفسی کے ایسے دور میں، میرے پاس ایسا مخلص دوست ہے۔ عمران خود ایک چھپا ہوا گوہر ہے جس نے جس دن لکھنا شروع کر دیا، اس دن ادبی نہیں تو کم از کم سیاسی اور تاریخی کتابوں کے اُفق پر ایک خوشگوار اضافہ ہوگا۔

پروفیسر شاہد، میرے اور خالد شریف جیسے عالم فاضل، تجربہ کار اور ایماندار پبلشر کے درمیان رابطے کا پل بنے، ان کا بہت شکریہ۔ **ماورا** پبلشرز کے ساتھ کتاب چھپوانے کا میرا یہ پہلا تجربہ انتہائی خوشگوار رہا۔

امید ہے میری یہ کہانیاں ادبی اور عوامی معیار پر پوری اتریں گی اور تب تک جان سولی پر لٹکی رہے گی۔۔۔ دعائیں۔

روبینہ فیصل

مسی ساگا، کینیڈا

محبت کی آخری کہانی

اس لڑکی کے چہرے پر نہ جانے کیا بات تھی کہ وہ جب وہاں سے گذرتی تو وہ اجنبی سارے منظر کو بھول کر صرف اس کو دیکھنے میں محو ہو جاتا اور اسے ایسا لگنے لگ جاتا جیسے تمام کائنات ان خوبصورت پیروں میں آ کر ٹھہر گئی ہے، وہ چلتی تو سب مناظر چلنے لگتے، وہ رکتی تو اس کے ساتھ سب کچھ تھم سا جاتا، وہ بھاگتی تو کائنات اس کے ہاتھوں سے نکل کر بھاگنے لگتی اور وہ سوچتا وہ جو کچھ دنوں سے تھک ہار کر اس درخت کے بوڑھے تنے کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا ہے، کیا وہ اس کائنات کے ساتھ بھاگنے کی سکت رکھتا ہے۔۔۔؟

کیا تم happy prince ہو؟

آج نجانے وہ اس کے پاس سے بھاگتے ہوئے، گزر نہیں گئی تھی، بلکہ رک کر اسے بڑی حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

کیا تم ہپی پرنس ہو۔۔؟ لڑکی نے اسے خاموش پا کر اپنا سوال دہرایا تو اسکی گونج جھیل کے پانی سے ٹکرا کر سامنے دوڑتی سڑک، اس کے کنارے ایستادہ درختوں، ان پر بیٹھے پرندوں، چہل قدمی کرتے بوڑھوں، سٹرالر میں بچوں کو ڈالے تیز تیز قدم اٹھاتی ماؤں، اپنے کتوں کے ساتھ بھاگتی گوری میموں کے کانوں تک پہنچ گئی اور وہ چونک گیا، اسے یوں لگا یہ پوری جھیل اور اس سے جڑے تمام مناظر بھی لڑکی کے اس سوال کو سن کر چونک سے گئے ہیں اور اب سب اس کی موجودگی کو محسوس کر رہے ہیں اور وہ جو اتنی دیر سے

سب سے اوجھل ہو کے بیٹھا تھا، اس سوال کی تیز روشنی میں سب کی نظروں میں آ گیا ہے۔۔اس نے چندھیائی آنکھوں سے جواب دیا:

نہیں، میں تو ہپی پرنس نہیں ہوں۔مگر لگتا ہے تم کائنات ہو؟

نہیں میں تو کائنات نہیں۔۔۔میں تو۔۔۔۔

تم تو کیا۔۔؟ وہ شرارت سے مسکرایا۔

میں تو بس ایک پرندہ بننا چاہتی ہوں۔۔کائنات نہیں۔ وہ بھی شہ پاتے ہی شوخی سے بولی۔

"ایسا کیوں؟ پرندہ کیوں بننا چاہتی ہو؟

"اڑنا چاہتی ہوں، اس زمین کو اوپر سے اڑتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہوں، ہپی پرنس کی مدد کرنے والا پرندہ مر گیا تھا لیکن میں مرنا نہیں چاہتی۔" شرارت کی جگہ ایک ان دیکھے خوف نے لے لی۔۔

وہ ہنسنے لگا۔۔" تم کتنی معصوم اور شفاف ہو، کیا تم نے کبھی اپنی آنکھوں کو اس جھیل کے پانی میں دیکھا ہے۔۔؟"

" نہیں، میں خود کو نہیں دیکھتی۔۔وہ ایک ادا سے بولی۔

" تم نے خود کو نہیں دیکھا اور زمین پر بیٹھے لوگوں کو بھی نہیں دیکھتی، تو کیا دیکھتی رہتی ہو ؟ اور جب تم یہاں کچھ نہیں دیکھتی تو پرندے کی طرح اڑ کر کیا دیکھو گی؟ وہ اسے ستانے لگا۔

۔۔

" مجھے نہیں پتہ، بس مجھے یہ پتہ ہے وہ جو سامنے جھاڑی میں اُگے پھول ہیں میں ان کو حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ ان کے ساتھ اُگے ہوئے کانٹے میرے ہاتھوں کو لہولہان کر دیتے ہیں۔۔کیا دنیا میں کوئی ایسے پھول ہیں جن کو میں چھوؤں تو میرے ہاتھ زخمی نہ ہوں؟

وہ اداس ہوگئی اور اس کی آنکھوں میں تیرتے پانی کا عکس سامنے خاموشی سے بہنے والی جھیل کے عکس میں جا کر مدغم ہونے لگا اور اس کے اوپر بہتی بطخوں نے رک کر اس لڑکی کو دیکھا اور پتہ نہیں انہیں اسکی آنکھوں میں کیا نظر آیا کہ کائیں کائیں کرتی ایک دوسرے کے پیچھے لگ کر بھاگ گئیں۔۔۔

جب سے وہ اس درخت کے سائے میں ستانے کے لئے آ کر بیٹھا تھا آج پہلی دفعہ اس نے بطخوں کو ایسے چیختے سنا تھا۔۔

"اچھا ہے تم نے ابھی تک خود کو جھیل کے پانی میں نہیں دیکھا ورنہ خود سے محبت کرنے کے علاوہ تم کسی کام کی نہ رہ جاتی". مسافر نے اس کی اداسی سے آنکھیں چراتے ہوئے کہا۔

وہ اس تعریف پر کھلکھلا کر ہنس پڑی، " کہانیاں مجھے بھی اچھی لگتی ہیں یونانی ہوں یا فرانسسی، روسی ہوں یا اطالوی، اردو ہوں یا انگریزی۔۔مگر میں جھیل میں اپنا عکس دیکھ کر منجمد نہیں ہونا چاہتی، میں اڑنا چاہتی ہوں، بادلوں سے تصویریں لانا چاہتی ہوں۔۔اور اور۔۔"اس کی آنکھیں جگنوؤں سے بھرنے لگیں۔۔

"اور کیا۔۔؟ مسافر نے مسکرا کر پوچھا۔

لڑکی کی آنکھوں میں خاموش پانی اترنے لگا،"تم میرا مذاق اُڑا رہے ہو؟ اور اس کی قمیض پر بنے پیلے پھولوں کی آنکھیں بھی پانی سے بھر گئیں۔

"نہیں نہیں۔۔اس نے گھبرا کر لڑکی کی گالوں سے پھسلتے آنسوؤں کو اپنی ہتھیلی پر روک لیا،"دیکھو یہ موتی ہیں۔۔"

"سورج کی روشنی میں چمک رہے ہیں بس۔۔موتی ووتی کوئی نہیں ہیں۔۔۔" وہ ایسے ہی روٹھی روٹھی سی بولی۔

"میں تمھارا مذاق نہیں اڑا رہا، میں تو سچ مچ جاننا چاہتا ہوں، پھول، بادل۔۔۔اور کیا چاہیئے؟ اس کا چہرہ تجسّس سے بھر گیا۔

اس کے پوچھنے پر لڑکی کی آنکھوں میں پھر سے جگنو چمک اٹھے۔۔وہ سب بھول بھال گئی اور جوش سے ہانپتے ہوئے کہنے لگی:

" تتلیاں۔۔۔سب رنگوں کی تتلیاں۔۔یہ دیکھو میرا مرتبان خالی ہے، اس میں کوئی تتلی نہیں ہے۔میں کوئی بھی تتلی پکڑ نہیں پاتی۔۔میں انہیں چھوتی ہوں اور وہ اڑ جاتی ہیں۔تم میرے ساتھ تتلیاں پکڑو گے؟

"ہاں کیوں نہیں اور میں تمھیں ایسے پھول لا کر دوں گا جن کے ساتھ کوئی کانٹے نہیں ہونگے، اور انہیں تمھارے بالوں میں لگاؤں گا، اور پھر تم نے جتنی تصویریں بادلوں میں بنائی ہیں لمبی سی سیڑھی لگاؤں گا اس پر چڑھ کر سب تصویریں اتار لاؤں گا اور تمھارے قدموں میں رکھ دوں گا اور پھر تمھارے کمرے کی دیواروں پر بہت سے رنگ دار ستارے لگا دوں گا اور اس خالی مرتبان کو بھی بہت سی تتلیوں سے بھر دوں گا۔

وہ سب تصویریں، بادل، رنگ، پھول، ستارے اور تتلیاں جو میرے خوابوں میں آتے ہیں۔۔؟ اس کا منہ حیرت اور بے یقینی سے کھلنے لگا۔

"ہاں خواب میں آتے ہیں یا تم جن کے خواب دیکھتی ہو۔۔سب۔۔سب لا دوں گا۔۔کیا میں تمھارا ہاتھ تھام سکتا ہوں؟ مسافر نے دھیرے سے پوچھا۔

اور وہ، وہ جو دور جھیل کے دوسرے کنارے رنگین پتھر پڑے ہیں، وہ بھی؟ وہ سب پتھر بھی۔۔۔؟ لڑکی نے چپکے سے اپنا ہاتھ مسافر کے ہاتھ میں تھما دیا، ایسا کرتے ہی اس کے زرد گالوں میں لالی دوڑنے لگی اور سیاہ بالوں میں ستارے آ کوندے۔۔

"ہاں وہ بھی۔۔سب لا دوں گا۔۔اس نے لڑکی کے نرم ہاتھوں کو دباتے ہوئے

وعدہ کیا۔۔

"اور بدلے میں مجھے کیا کرنا ہوگا۔۔" لڑکی کوا یکدم سے جیسے یاد آ گیا ہو کہ کوئی بھی چیز مفت میں نہیں ملتی۔۔

"تمھاری آنکھوں کے جگنو، تمھاری ہنسی کی بہت سی پھواریں جو میرے جسم کو ہمیشہ تر رکھیں۔۔تمھارا یہ نرم گرم ہاتھ ایسے ہی میرے ہاتھوں میں رہے۔۔بس تمھیں ان سب چیزوں کو ایسے ہی زندہ رکھنا ہوگا، مجھے اور کچھ نہیں چاہیئے۔۔"

"ہیں؟ بس۔۔۔۔؟۔" لڑکی کو جیسے یقین ہی نہ آیا۔۔

"میں تمھارا دوست ہوں نا؟ اس نے آس بھری نظروں سے لڑکی کو دیکھتے ہوئے پوچھا

"ہاں۔۔تم میرے سب کچھ ہو۔۔حیرت ہے میں روز یہاں سے گذرتی تھی، تم مجھے نظر نہیں آتے تھے۔۔آج ایکدم سے کیسے نظر آ گئے، اور ایکدم سے میرے سب کچھ کیسے ہو گئے؟"

"یہ ایکدم سے نہیں ہوتا، یہ سازشیں بہت سالوں سے اندر ہی اندر تیار ہو رہی ہوتی ہیں۔۔اب دیکھو، میں تو اس شہر کا بھی نہیں ہوں بس یہاں کچھ دنوں کے لیے رُکا ہوں میں مسافر ہوں، نگر نگر گھومتا ہوں مگر میرا کوئی مستقل ٹھکانہ نہیں ہے مگر اب مجھے یہیں رہنا پڑے گا۔۔"

" کیوں؟ لڑکی نے حیرت سے پلکیں جھپکیں۔۔۔

تم نے اتنے سارے کام جو بتا دئے ہیں، ان کو پورا کرنے کے لئے ایک پوری عمر چاہیئے اس لئے اب میں عمر بھر یہیں رہوں گا۔۔۔

سچ؟ لڑکی خوشی سے چلائی اور اس کے سینے سے چمٹ گئی۔

"میں بہت اکیلی تھی، مجھ سے نہ بادل پکڑے جاتے تھے، نہ تتلی اور نہ پھول۔۔مگر اب تم آ گئے ہو نا۔۔۔"

وہ پھر رونے لگی مگر اس دفعہ مسافر نے اسے رونے دیا کیونکہ اب لڑکی کی آنکھوں کے موتی مٹی میں نہیں مسافر کے سینے کے بالوں (جو سورج کی روشنی میں سونے کی طرح چمک رہے تھے)، میں جذب ہو رہے تھے اور انکی کی حرارت سے مسافر کے اندر زندگی کی لہریں اٹھنے لگیں۔

"میں تمھیں ہپی پرنس کہہ لوں؟۔۔۔لڑکی نے جھیل میں تیرتی بطخوں کے شور میں پھر سے اونچی آواز میں اپنا سوال دہرایا ۔۔

" مگر میں تو ہپی پرنس نہیں ہوں۔۔"اس نے لڑکی کے ہاتھوں میں گھاس پر اگنے والے پیلے پھول دیکھتے ہوئے سوچا اسے جب جھاڑی کے پیچھے اُگے خوبصورت رنگ برنگے پھول نہیں مل سکے ہونگے تو اس نے ان گھاس کے پیلے پھولوں سے دامن بھر لیا ہوگا۔ایسی قناعت پسندی دنیا کے تمام دکھ کھا جانے کی طاقت رکھتی ہے۔۔

وہ معصومیت سے بولی:" تم مجسمے کی طرح ساکت بیٹھے ہو، ہلتے جلتے نہیں، نہ جانے تمھیں دیکھ کر مجھے یہ احساس کیوں ہو رہا ہے کہ تم نے اپنے جسم، کپڑوں اور تلوار سے تمام ہیرے نکال نکال کر شہر کے غریبوں کی مدد کر دی ہے اور اب تم خالی ہاتھ ہو اور تمھاری ساری طاقت ختم ہو چکی ہے اور بس تم میرا دل رکھنے کو میرے ساتھ وعدہ کر رہے ہو۔۔"

"نہیں میں ہپی پرنس کیسے ہو سکتا ہوں؟ جب کہ مجھے اپنا ننھا پرندہ تو ابھی ابھی ملا ہے۔۔" مسافر نے لڑکی کی ناک کو انگلی سے چھیڑتے ہوئے کہا۔وہ ایک دم سے اس کے سینے سے الگ ہو گئی اور خلاؤں میں گھورتے ہوئے بولی:

"ہاں میں وہی پرندہ ہوں جس نے ہپی پرنس کے مجسمے سے اسی کے کہنے پر سارے

ہیرے نکال نکال کر غریبوں کی مدد کی تھی، مگر نہیں میں تو تم سے اپنی زندگی کے لئے مدد مانگ رہی ہوں ہیپی پرنس!! کیا تم نے شہر کے سب غریبوں کی مدد کر دی؟"

"ہاں!! اسی لئے یہاں سکون سے بیٹھا ہوں، اب نہ توانائی باقی بچی ہے اور نہ ہیرے۔"۔لڑکی کی آنکھوں میں پھیلی مایوسی دیکھ کر وہ جلدی سے بولا: مگر تم اداس نہ ہو میری جان تم نے تو مجھے نئی زندگی دی ہے، تمھارے سارے خواب پورے کرنے کی مجھ میں طاقت آ گئی ہے۔۔اور یہ تمھاری نہیں میری اپنی مدد ہے، میں پھر سے جی اٹھا ہوں۔"

"نہیں! میں اس لئے اداس نہیں ہوں کہ تم میرے خواب پورے نہیں کر پاؤ گے، میں تو یہ سوچ رہی ہوں کیا تم یہاں اس لئے بیٹھے ہو کہ سب لوگوں کی مدد ہو گئی اور اب کسی کو تمھاری ضرورت نہیں یا تم کسی کی مدد کرنے کے قابل نہیں رہے اور پھر کسی کو تمھاری ضرورت نہیں رہی۔۔۔"

آدمی نے چونک کر اس لاپرواہ نظر آنے والی لڑکی کو دیکھ کر سوچا یہ تو ایک لمحے میں زندگی کے کنوئیں میں چھلانگ لگا سکتی ہے۔

"بات تو ایک ہی ہے نا۔۔اس نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔۔۔

مگر لڑکی نہ جانے کیوں پھر سے رونے لگی۔۔

اب کے مسافر کا دل کانپ اٹھا اور اس نے بڑھ کر پھر سے اسے اپنی باہوں میں سمیٹ لیا، اور اس کے آنسوؤں سے بھرے گالوں کو چومتے ہوئے کہا" تمھارے آنسو نمکین نہیں بڑے میٹھے ہیں، انہیں ضائع کیوں کرتی ہو؟ آؤ ہم تتلیاں پکڑیں۔۔۔اور وعدہ کرو اب کبھی نہیں روؤ گی۔۔" اس کے ساتھ ہی وہ چھلانگ مار کر کھڑا ہو گیا اور کسی مسخرے کی طرح لڑکی کے سامنے ایک ٹانگ پر اچھلنے لگا، لڑکی آنسوؤں کے درمیان کھلکھلا کر ہنس پڑی۔۔

"اور جب ہم بہت سی تتلیاں، بادل اور پھول اور رنگین پتھر اکٹھے کر لیں گے تو شہر کے لوگوں کو بانٹیں گے، میں تمھارے ہیپی پرنس کی طرح یہیں مجسمہ بن کر بیٹھ جاؤں گا اور تم میرا ننھا پرندہ بن جانا۔۔"

اب لڑکی خوشی کے مارے ناچنے اور تالیاں بجانے لگی پھر اس نے بڑھ کر ہیپی پرنس کے گالوں کو بوسہ دیا اور کہا،

" مگر مجھے ننھے پرندے کی طرح کبھی مرنے نہ دینا۔۔۔میں جینا چاہتی ہوں۔۔"

"میری جان تم نے مجھے ایک مقصد دے کر نیا جیون دیا ہے، اور جیون دینے والے کو کون مرنے دیتا ہے؟ تم ہمیشہ زندہ رہو گی، دیکھو دیکھو! یہ جو تمھارا سایہ درخت پر پڑ رہا ہے اور وہ دیکھو تمھارا عکس جھیل میں جذب ہو رہا ہے اور یہ جو تمھارے سانس کی خوشبو یہاں کی ہواؤں میں شامل ہو رہی ہے اور ان پھولوں کو دیکھو وہ جھاڑیوں سے نکل نکل کر تمھیں مسکرا کر دیکھ رہے ہیں اور تمھاری مسکراہٹ انہوں نے بھی مستعار لے لی ہے، اس پھول پر بیٹھی تتلی کو دیکھو، وہ پھول کا نہیں تمھارے ہونٹوں کا رس چوس رہی ہے، میرے دل نے اور میری محبت نے تمھیں یہاں کے ایک ایک منظر کا حصہ بنا دیا ہے، ان مناظر کو کبھی موت نہیں آئے گی"، وہ لپک لپک کر اسے ایک ایک منظر کی طرف گھسیٹنے لگا۔۔

لڑکی اس کے ساتھ جھومنے لگی اور زور سے چلانے لگی۔۔

" آؤ! جئیں۔۔۔آؤ! مجھے بادلوں کی تصویریں لا دو۔۔ مجھے سارے پھول لا دو ۔۔ میں انہیں اپنی قمیض میں کاڑھ لوں گی اور جب تم ساری دنیا کے رنگ مجھے لا دو گے تو میں انہیں اپنی آنکھوں میں بھر لوں گی۔۔ یہ دیکھو میرا خالی مرتبان۔۔اور یہ دیکھو میرے پاؤں کے زخمی تلوے، خوابوں کی ان تتلیوں کے پیچھے بھاگتے بھاگتے میں نے اپنے پاؤں تو زخمی کر لئے، اپنے ہاتھ لہولہان کر لئے، مگر کوئی تتلی میرے ہاتھ نہیں آئی۔۔۔اسی لئے یہ شیشے

کا مرتبان اب تک خالی ہے۔۔۔میرا کمرہ بہت بے رنگا ہے۔۔تم جو رنگ لاؤ گے میں اس سے اپنا کمرہ رنگین کر لوں گی ،تم جو سیپیاں اور پتھر اکٹھے کر کے دو گے انہیں کمرے کی الماریوں میں بند کر دوں گی۔۔۔"

"ہاں روز یہاں آیا کرو میرے پاس اور ہم روز ایک خواب کی تتلی،ایک رنگ،ایک پھول،ایک بادل،ایک تصویر اور رنگین پتھر جمع کریں گے۔" مسافر نے اس کے بھرے بھرے سرخ ہونٹوں پر ہونٹ رکھتے ہوئے اس سے وعدہ لیا اور وعدہ کیا۔

"اے ہپی پرنس کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟؟؟؟؟" وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔تم میرا تتلیوں سے خالی مرتبان تو دیکھ رہے ہو نا؟ میں نے اپنے سارے خواب تمھاری آنکھوں میں انڈیل دئے ہیں مگر میرے کمرے میں ایسے بہت سے مرتبان پڑے ہیں جو دھوکوں سے بھرے پڑے ہیں۔اور دیواروں پر ایسی بہت سی تصویریں اگی ہوئی ہیں جن میں جھوٹ اور مکر کی جیت ہو رہی ہے اور سچ اوندھے منہ پڑا ہے۔دروازوں سے لالچ اور ہوس کی رالیں ٹپک رہی ہیں اور جھوٹے وعدوں سے میرے کمرے کی چھت زمین تک جھک گئی ہے۔اس لئے مجھے کسی بات کا اب یقین نہیں آتا۔میں سایوں کو بھوت سمجھنے لگ گئی ہوں اور پھولوں سے پہلے مجھے کانٹے نظر آنے لگ جاتے ہیں۔میرا اعتماد ریزہ ریزہ ہے اور اگر میں تم پر اعتبار نہ کر سکی تو کیا تب بھی تم میرے خوابوں کی تلاش میں میرے ساتھ نکلو گے ۔؟۔" وہ اس کا ہاتھ تھامے،اسکی آنکھوں میں تکتی جا رہی تھی اور خاموش آنسو اس کی گالوں سے بہہ کر اس کی گردن کو چوم رہے تھے۔

مسافر نے ان گرم آنسوؤں پر اپنے جلتے ہوئے ہونٹ رکھ دئے۔۔اوہ!! میری محبوب مت رو،آج کے بعد تمھاری آنکھوں کی تلاش ختم ہوئی،میں تمھیں محبت،رنگ اور خوشبو کے لئے اب اور نہیں رونے دوں گا۔تم نے بہت رو لیا اب اپنے سارے آنسو مجھے

دے دو اور آؤ مل کر تتلیوں کے پیچھے بھاگیں،بادلوں کی تصویریں کتابوں میں بھر لیں۔۔ ایک کمرہ بنائیں جس میں اتنے رنگ ہوں کہ بے رنگی کوسوں دور بھاگ جائے،میں اور تم مل کر دھوکوں کے اوپر محبت اور اعتماد کا پل بنائیں گے،چھوڑ کے جانے والوں کی قبر پر زندگی کا تا حیات جلنے والا چراغ جلائیں گے۔۔"

دونوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ تھاما اور اکٹھے بھاگنے لگے۔لڑکی کے گالوں کی زردی مدہم پڑنے لگی اور اس کی کھنڈر آنکھیں خوابوں سے بھر کر چمکنے لگیں،اس کے کمرے سے سارے دھوکے اور بدگمانی کے رنگ دھندلانے لگے،اور بادلوں میں گندھی خوبصورت تصویریں اس کے کمرے کی دیواروں پر ابھرنے لگیں،دروازوں سے ہوس کے کانٹوں کی بجائے پھولوں کی خوشبو دستک دینے لگی اور مرتبان میں روز پیار اور اعتبار کی ایک نئی تتلی بھرنے لگی۔۔لڑکی یہ سب پا کر اتنی ہلکی اور مسرور ہو گئی کہ ہواؤں میں اڑنے لگی۔۔

مسافر اس کی آنکھوں کے جگنوؤں کو دیکھ دیکھ کر کہتا "میرا ننھا پرندہ" اور اسے لگتا اب اس کے جسم میں بھری صدیوں کی تھکاوٹ دور بھاگ گئی ہے۔

لڑکی کی آنکھیں،کمرے کی دیواریں،دروازے اور مرتبان سب رنگوں سے بھرنے لگے تو لڑکی جو ساری عمر بے اعتباری کی ڈسی ہوئی تھی مسافر کے ساتھ چلتے چلتے اسے کہتی:"قسم کھاؤ مجھ سے میرا وجود نہیں چھینو گے،یہ خوشی کے رنگ،یہ خوشبو بھری سانسیں ،یہ بادلوں سے اتری تصویریں،یہ رنگا رنگ پتھر یہ سب میرے پاس رہنے دو گے۔۔ ؟ دیکھو میرا مرتبان تتلیوں سے بھر گیا ہے۔۔یہ ایسے ہی بھرا رہے گا نا؟۔۔۔۔۔کوئی چور یہ سب چرا کر تو نہیں لے جائے گا۔۔؟"

" کوئی چوری نہیں کرے گا،مگر تم خود لوگوں میں یہ حسین خواب،یہ خوشبودار پھول، یہ پیارے پیارے رنگ،یہ بادلوں کی تصویریں اور رنگین پتھر،بانٹو گی۔بانٹو گی نا؟۔

کیونکہ تم میرا ننھا پرندہ ہو، جس نے ہپی پرنس کے مجسمے میں حرارت بھری ہے اور اسے پھر سے دنیا کی مدد کرنے کے قابل بنا دیا ہے، جب کہ وہ بالکل سرد اور کنگال ہو چکا تھا۔۔"

"ہاں میں بھی قافلے سے بچھڑا ایک پرندہ ہی تو تھی، بالکل تنہا تھی، وعدہ کرو، یہ زندگی مجھ سے واپس نہ لینا۔۔۔ میں تمھارے ساتھ مل کر سب اکٹھا کر سکتی ہوں تو بانٹ بھی سکتی ہوں بس تم میرے ساتھ ہی رہنا، مجھے تنہا نہ چھوڑنا۔۔ پھر میں سب کر گذروں گی۔"

دن یونہی خوابوں کی تتلیاں اکٹھی کرتے اور انہیں بانٹتے ہوئے گذرنے لگے۔۔۔

اور پھر ایک صبح۔۔۔۔ایک منحوس صبح۔۔۔

لڑکی گہری نیند سے بیدار ہوئی تو نہ جانے کیوں اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔۔وہ خوف زدہ ہو کے آنکھیں ملتی جھیل کی طرف بھاگی، اسی مخصوص درخت کے پاس پہنچی تو وہاں کوئی ٹیک لگائے نہیں بیٹھا تھا۔ اس نے گھبرا کر ساتھ پڑے بنچ کو دیکھا، وہ بھی خالی تھا۔۔۔

" کہاں ہو؟ وہ زور سے چلائی، چہل قدمی کرتے لوگوں نے رک کر اسے دیکھا۔

اس کی آنکھوں میں ٹھہرا سوال اور خوف دیکھنے والوں کے دلوں میں خواہ مخواہ ہمدردی پیدا کر رہا تھا ویسے بھی وہ روز وہاں سے گذرتے ہوئے اس سیاہ بالوں والی لڑکی اور اُس مسافر کو تتلیوں، رنگوں اور بادلوں کے پیچھے بھاگتے، قہقہے لگاتے، باتوں کی پھلجڑیاں اڑاتے دیکھتے تھے اور انہیں اس منظر کا حصہ سمجھنے لگ گئے تھے اور آج ان کے لئے بھی منظر ادھورا ہو چکا تھا۔۔۔

جھیل کے پانی میں برف جم چکی تھی مرغابیاں، بگلے سب ہجرت کر چکے تھے۔ اُس درخت کے بھی سارے پتے جھڑ چکے تھے اور وہ ٹنڈ منڈ زار و قطار تنہا کھڑا رو رہا تھا، اور اس کے آنسو برف کے گولے بن کر اس کی شاخوں سے جھول رہے تھے، اس کے ساتھ ٹیک

لگانے والا انجانے کس دیس چلا گیا تھا، اب وہاں کوئی نہیں تھا۔ کوئی سایہ بھی نہیں۔۔

لڑکی کو مسافر کی تلاش میں حواس باختہ ادھر ادھر بھاگتے دوڑتے دیکھ کر ایک گوری بوڑھی عورت نے اس کے پاس رک کر اسے اپنے تجربے کے زور پر سمجھاتے ہوئے کہا:

"وہ مسافر تھا نا؟"

"نہیں وہ ہپی پرنس تھا۔۔" لڑکی نے جیسے اس بوڑھی کی بات سنی ہی نہ ہو

"ہجرتوں کے اس موسم میں سب مسافر ہی چلے جایا کرتے ہیں۔" بوڑھی نے بھی جیسے لڑکی کی بات سنی ہی نہ ہو۔

"نہیں وہ کبھی مسافر ہوا کرتا تھا، مگر اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اب وہ سفر کا پہیہ روک دے گا اور یہیں، میرے پاس رہے گا." وہ بوڑھی عورت کو تفصیل سے سمجھانے لگی۔۔

"مسافر کبھی ایک جگہ نہیں ٹھہرتے ہیں، بوڑھی عورت نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا، ان کے بغیر جینے کی عادت ڈالنی پڑتی ہے۔

"نہیں! وہ سفر سے بہت تھک گیا تھا۔ وہ صرف میرے لئے زندہ ہوا تھا۔ اس میں چلنے کی سکت بھی نہیں تھی، وہ کیسے جا سکتا ہے۔۔اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ مسافر نہیں رہے گا۔۔"

اس کے بغیر جینا سیکھ لو۔۔انگریز بوڑھی نے اپنے کتے کو پچکارتے ہوئے لڑکی کو سمجھایا۔۔لڑکی نے سہم کر بوڑھی کی آنکھوں میں دیکھا، وہاں کسی کے لمبے انتظار کی قبر بڑی واضح کھدی ہوئی تھی، جس پر اسے اپنا کتبہ لکھا نظر آیا اور وہ خزاں کے پتے کی طرح کانپنے لگی۔۔۔

اب وہ اُسی درخت کے نیچے بیٹھی ہپی پرنس کا انتظار کرنے لگی۔ تتلیاں اس کا منہ چوم چوم کر اسے چھیڑتی رہیں، ہواؤں نے اس تک پھولوں کی خوشبو پہنچائی، بادلوں نے

اپنی تصویروں میں طرح طرح کے رنگ بھرے، اور دور پڑے پتھروں نے اپنے رنگوں کی چمک سے اس کی آنکھیں خیرہ کرنے کی کوشش کی مگر وہ پتھر سی بنی اسی درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی رہتی۔۔ پھر شام ڈھلتے ہی چپکے سے اٹھ کر اپنے گھر کو چل دیتی، وہاں وحشت اور بھی زیادہ ہوتی، کمرے کی دیواروں سے سب رنگوں اور بادلوں کی تصویریں غائب ہونے لگیں۔

اب کمرہ پہلے جیسا بے رنگا ہو گیا تھا۔ تتلیوں کے مرتبان سے کسی چور نے تمام تتلیوں کے پر نوچ کر انہیں مردہ حالت میں فرش پر چھوڑ دیا تھا، وہیں پر ٹوٹے خوابوں کے کانچ بھی بکھرے پڑے تھے، یہ سب دیکھ کر جب وہ دیوانہ وار اِدھر اُدھر بھاگتی تو اس کے پیروں کے تلووں میں کانچ چبھ جاتے مگر اسے نہ تکلیف کا احساس ہوتا نہ بہتے خون کا، کھڑکی پر رکھے پتھروں سے رنگ اڑ چکا تھا اور ان کی بے رنگی ماحول کو اور بھی ماتم زدہ کر رہی تھی۔ یہ سب دیکھ کر اس کا سینہ غم سے پھٹنے لگتا اور وہ کمرے سے گھبرا کر جھیل کی طرف بھاگ اٹھتی، اس کے پاؤں سے خون رس رس کر راستے کو رنگین کرتا تھا اور اس کا دل خوف سے سیاہ پڑتا جاتا تھا۔ سیر کے لئے آنے والوں کو اسکی آنکھوں میں جگنوؤں کی قبریں دور سے نظر آنے لگیں۔

وہ تتلیوں، بادلوں، رنگوں، پتھروں اور پھولوں کی اتنی عادی ہو گئی تھی کہ اب ان کے بغیر جینے کا مطلب موت تھی۔ جھیل کنارے پہنچتی تو وہاں پیپی پرنس کی جگہ خالی ہوتی تھی اور ہر طرف لوگوں کے ہجوم کے باوجود سناٹا اسے کاٹتا تھا۔ وہ واپس کمرے کی طرف بھاگتی تو وہاں کی تنہائی اور بے رنگی اسے کاٹ کھانے کو دوڑتی۔۔ جھیل اور کمرے کے درمیان بھاگتے بھاگتے وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کے رہ گئی تھی۔

اور پھر ایک دن وہاں کتوں کو اور سٹرولر میں ڈال کر بچوں کو سیر کروانے والوں نے

دیکھا ایک لڑکی اسی درخت کے نیچے اپنے ہاتھوں کو ایک دوسرے سے ملائے ایسے بیٹھی ہے جیسے اسکے اپنے ہی ہاتھ ایک دوسرے کو سہارا دے رہے ہوں اور جب لوگوں نے قریب جا کر اس کے جسم کو دیکھا تو وہ منجمد تھا اور اس لڑکی کا سر اس کے سینے پر جھکا ہوا تھا اور گالوں پر آنسوؤں نے برف کی صورت اختیار کر لی تھی اور یوں لگ رہا تھا جیسے لڑکی ساری رات اپنے ہی سینے پر سر رکھ کر روتی رہی ہے اور اس کی کھلی آنکھوں میں جب جھانکا تو شکایت کی یہ تحریر سب کو نظر آئی "کہاں گیا وہ سینہ جس نے میرے آنسو جذب کرنے تھے؟" شکایت کے ساتھ لڑکی کی بے جان کھلی ہوئی آنکھوں میں انتظار کی قبر جس کے کتبے پر پیپی پرنس اور ایک ننھے پرندے کی تصویر بڑی واضح نظر آ رہی تھی۔

لاش جلد ہی ہٹا لی گئی مگر بہت دیر تک وہاں چہل قدمی کے لئے آنے والوں کو اس درخت پر لڑکی کا چہرہ، جھیل کے پانی میں اس کا عکس، اور ٹھہرے بادلوں میں اس کی تصویر نظر آتی رہی اور جب لوگ اس درخت کی خوشبو کو سونگھتے ہوئے ایک دوسرے سے پوچھتے یہ کیسی نایاب خوشبو ہے!! تو وہ تنہا کھڑا درخت ہی جانتا تھا کہ وہ اس کی خوشبو نہیں بلکہ ان دو جسموں کی تھی جو یہاں بیٹھ کر ایک دوسرے کی عبادت کرتے تھے۔

اب بھی درخت کے کانوں میں لڑکی کی روتی ہوئی التجا گونجتی رہتی ہے "میں چھوٹے پرندے کی طرح مجسمے کے قدموں میں مرنا نہیں چاہتی، میں جینا چاہتی ہوں"۔۔

اور پیپی پرنس کی آواز آج بھی وعدہ کرتی سنائی دیتی ہے۔۔" میں تمھیں مرنے نہیں دوں گا۔۔ تم ہمیشہ زندہ رہو گی۔۔۔۔"

اور ان کی محبت کا چشم دید گواہ، یہ ٹنڈ منڈ درخت جس پر خزاں کا موسم ٹھہر گیا ہے اور اب موسم بہار میں بھی اس پر پتے نہیں نکلتے، ہر وقت روتا اور خود سے پوچھتا رہتا ہے کہ لڑکی کا وہم سچ تھا یا مسافر کا وعدہ؟

حلال بیوی

"یہ تمھارا گھر آنے کا وقت ہے؟ شوہر کو دیکھتے ہی بیوی چنگھاڑی۔۔

"میرے سر میں شدید درد ہے، مجھے چائے کا ایک کپ دے دو۔" شوہر کے چہرے پر تھکاوٹ صاف نظر آ رہی تھی۔

"یہ ڈرامے بند کرو، باہر عیش کر کے آتے ہو اور گھر کے اندر گھستے ہی منہ پر جان بوجھ کر بارہ بجا لیتے ہو، میرے ماتھے پر لال مارکر سے "پاگل" لکھا ہوا ہے۔۔؟" بیوی نے اپنے ماتھے پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔۔

"پاگلوں کے ماتھے پر پاگل لکھا ہوتا تو کیا ہی بات تھی، مگر بائی داوے آپ پاگل نہیں ہیں بلکہ دوسروں کو پاگل کر دینے والی مشین ہیں۔"

"میں نے تمھیں پاگل کیا ہے؟ یہ کیوں نہیں کہتے کہ یہاں کینیڈا لا کر تم نے مجھے قید تنہائی میں رکھ رکھ کر پاگل کر دیا ہے، خدا تمھیں پوچھے۔

"خدا تو پوچھ ہی لے گا فی الحال تم چائے کا ایک کپ بنا دو۔۔۔" شوہر نے چائے کے کپ کے لئے اپنی سی کوشش جاری رکھی۔

"تمھارے باپ نے شادی کے وقت یہ نہیں بتایا تھا کہ تمھارے لئے ایک بیوی نہیں ایک خادمہ خرید کے لے جا رہے ہیں۔۔"

"مجھے چائے پلانے سے تم خادمہ بن جاؤ گی؟ اور میں جو سارا سارا دن جاب جانے

کے بعد، نئی جاب کی تلاش کے لئے سڑکوں پر دھکے کھاتا پھرتا ہوں، اور ساتھ کے ساتھ odd job کر رہا ہوں تا کہ تم لوگوں کو گھر بٹھا کر عزت کے ساتھ کھلا سکوں تو میں تمھارے باپ کا نوکر ہوں؟"

"یہ تمھارا فرض ہے۔اور خبردار میرے باپ تک پہنچے۔۔۔"

"اور تم چاہے میرے باپ اور اس کے آگے سے باپ تک بھی جا پہنچو۔۔ ہے نا؟ تمھاری کوئی حد نہیں ہے؟ اور نہ ہی تمھارا کوئی فرض ہے۔شوہر کا اب غصے کے مارے برا حال تھا۔

"ہاں میرا کوئی فرض نہیں ہے، یہاں کینیڈا میں عورت کے صرف حقوق ہیں۔۔ تمھیں اب تک پتہ نہیں چلا؟ اور میری کیوں حد ہوگی، میں عورت ہوں جس کے ساتھ ہزار ہارمونز کی تبدیلی کے مسائل جڑے ہوتے ہیں۔تم ہٹے کٹے مرد۔۔۔"

"مرد ہوں تو کیا انسان نہیں ہوں؟ یا کینیڈا آ کر ڈکشنری میں آدمی انسانوں کے قبیلے سے نکل جاتا ہے، اور بس عورتوں کا punching bag بن جاتا ہے اب اپنا منہ بند کرو اور دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔۔"

"نہیں دفعہ ہوتی کیا بگاڑ لو گے؟ ہاتھ اٹھاؤ گے۔۔لو مارو۔۔بیوی چھاتی تان کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔۔

"میں تمھارے منہ نہیں لگنا چاہتا۔۔تمھاری تو یہ entertainment ہے۔۔"

"منہ نہیں لگنا تھا تو شادی کیوں کی تھی؟ تب تو روز تمھارے ماں باپ اور چنڈال بہنیں دروازے پر ناک رگڑنے پہنچ جاتے تھے۔۔کیسا پھنسایا ہم سیدھے سادے لوگوں کو۔۔کیا تھا تمھارے پاس تب؟ کرائے کا گھر، عام سی نوکری۔۔"

"میری بہنوں کو چنڈال کہہ رہی ہو۔۔منہ توڑ دوں گا تمھارا۔۔اور تم کون سی کسی

رئیس خاندان کی مہارانی تھی ۔۔"

"توڑ کے تو دکھاؤ ۔۔آؤ بڑھو آگے، کیوں ہاتھ کیوں روک لیا؟ میں تو چاہتی ہوں ایک دفعہ اب یہ فیصلہ ہو ہی جائے مگر یہاں کینیڈا میں تم لوگوں کی مردانگی تیل لینے چلی جاتی ہے، مارواب۔۔۔میرے خاندان تک پہنچے ہونا۔۔تو مارو بھی اب۔۔"

"بڑی کم ذات عورت ہو تم ، مار نہیں سکتا نا تمھیں؟ تمھیں فیصلہ چاہیئے نا؟ جا کرتا ہوں فیصلہ پھر تو آرام سے لیٹنے دوگی؟ پھر تو زبان بند ہو جائے گی؟"

"اتنی تمھاری اوقات تم فیصلے کرو گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

"ایسی بات ہے لو دیکھو پھر میری ہمت :

"میں تمھیں طلاق دیتا ہوں ، طلاق دیتا ہوں ،طلاق دیتا ہوں ,اب تو نکل جاؤ کمرے سے اور مجھے سکھ کے دو سانس لینے دو۔۔اب تو جاؤ کمرے سے۔۔ہو گیا فیصلہ۔

بیوی وہیں سر پکڑ کر دھڑام سے زمین پر آرہی۔۔۔"اللہ یہ کیا کر دیا۔۔؟۔

تھوڑی دیر یونہی ساکت بیٹھی رہی اور پھر گم سم سی کمرے سے گھسٹتی ہوئی باہر نکل گئی۔۔۔

"شکر ہے نا ہنجار چپ ہوئی اور کمرے سے دفعان ہوئی، دو گھڑی سکون سے انسان سو بھی نہیں سکتا۔۔" شوہر یہ سوچتا ہوا کمبل منہ پر لپیٹ کر لیٹ گیا۔۔۔labor jobاور نئی جاب ڈھونڈنے کی تھکاوٹ اس پر اس قدر طاری تھی کہ وہ لیٹتے ہی خوابوں کی دنیا میں چلا گیا۔۔۔

ابھی خوابوں کی حسین دنیا، (جس میں وہ پاکستان میں اپنے دفتر میں بیٹھا ٹی بوائے سے فائل منگوا رہا تھا) کے وہ مزے ہی لے رہا تھا کہ اس کے گیارہ سال کے بیٹے نے آکر اس کا شانہ زور زور سے ہلا کر اسے حقیقت کی سنگلاخ زمین پر پھر سے پٹک دیا۔۔

"پاپا, پاپا اٹھئے ، مجھے اپنے پروجیکٹ کے لئے آئل کلر ابھی چاہیئں ۔۔ابھی ۔۔۔"

"بیٹا ماما سے کہو۔۔ مجھے خدا کے واسطے سونے دو۔۔میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے اور میرا جسم نیند سے ٹوٹ رہا ہے۔"

"ابو ماما سے کیا کہوں وہ باہر بیٹھی روئے جا رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ انہیں اب یہاں سے جانا پڑے گا۔۔ پاپا ماما کو کہاں جانا پڑے گا اور کیوں ۔۔ پاپا، انہیں جہاں بھی جانا ہے مگر رونے کی اس میں کیا بات ہے؟ اور میرے آئل کلر کا ان کے جانے سے کیا تعلق ہے۔؟ پاپا اٹھ جائیں پلیز ۔۔آپ سو رہے ہیں ماما رو رہی ہیں ۔۔ میری کسی کو فکر نہیں۔۔۔"

بیٹے کی روہانسی آواز نے اسے اٹھنے پر مجبور کر دیا، وہ اپنے بیٹے کو روتے نہیں دیکھ سکتا تھا،

"اچھا چلو میں اٹھ گیا، جاؤ ماما کو بلا کر لاؤ،سب چلتے ہیں۔"

"سب چلتے ہیں؟ بچے نے بے یقینی سے پوچھا اور بھاگتا ہوا ماں کے پاس پہنچا۔

چھوٹی بیٹی جو کمرے میں ادھر ادھر ہراساں سی گھوم رہی تھی جیسے باہر کوئی جن آ گیا ہو، بولی میں بھی ساتھ چلوں گی پاپا؟

" کیوں نہیں سب چلیں گے ۔۔ پاپا نے بیٹی کی خوفزدہ آنکھیں پڑھنے کی کوشش کی۔۔

"ابو سب نہیں جا سکتے ،اتنے میں بیٹا ماں کو پوچھ آیا تھا۔۔

" کیوں نہیں جا سکتے؟ باپ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

"ماما کہہ رہی ہیں اب وہ آپ کی بیوی نہیں رہی ہیں اور آپ ان کے لئے۔۔۔

بھول گیا۔۔کچھ ہو گئے ہیں۔۔۔stranger شائد۔۔"

شوہر نے بے ساختہ کہا۔۔نامحرم؟نہیں بیٹے ماما ایسے ہی غصے میں کہہ رہی ہیں۔۔ ہم میاں بیوی ہیںstrangers کیوں ہونے لگے۔"

اور بھاگم بھاگ بیوی کے پاس پہنچا۔۔وہاں بیگم نے رو رو کے آنکھیں سرخ کر رکھی تھیں اسے دیکھتے ہی ہسٹریائی انداز میں چلائی" نکل جائیں میرے کمرے سے آپ میرے لئے نامحرم ہیں۔"

بیگم کے آگے ٹی وی ڈراموں کے ایسے سارے سین تیزی سے چل رہے تھے، جن میں شوہر غصے میں آ کر" طلاق طلاق طلاق" کہتے تھے اور پھر عورت کی ایسی چیخ و پکار شروع ہوتی تھی کہ الامان،الحفیظ۔۔

بیگم نے وہ سب ڈائلاگ بغیر کسی دشواری کے دہرانے شروع کر دئے۔ مجھ سے بات نہ کریں، ہٹ جایئے مجھے چھونے کی کوشش بھی نہ کریں۔۔۔میں آپ کے اوپر حرام ہوگئی ہوں۔۔"

ہیں؟۔۔۔شوہر کے منہ سے اتنا ہی نکلا۔۔میں غصے میں تھا میرا وہ مطلب نہیں تھا۔۔"

" آپ کا مطلب جو بھی تھا، یہاں کہانی ختم ہوگئی ہے۔۔۔میں آپ کی بیوی نہیں رہی۔"

"نہیں ایسا کیسا ہو سکتا ہے؟ بارہ سالوں کی شادی ایسے ہی کیسے محض تین الفاظ سے ختم ہو سکتی ہے؟"

بیوی کی ہٹ دھرمی دیکھ کر اب شوہر کے ہاتھوں کے سارے طوطے اڑ چکے تھے اور بچے حواس باختہ سے ڈرے سہمے کبھی ماں کا اور کبھی باپ کا منہ دیکھ رہے تھے۔ بچوں کی

ایسی حالت دیکھ کر وہ بیوی کے پیروں میں بیٹھ گیا۔۔" مجھے معاف کر دو۔۔میں نے وہ نہیں کہا تھا۔۔۔"

"ہٹ جائیں پیچھے، میرے پاؤں چھونے کا حق آپ کھو چکے۔۔میں اب آپ کی بیوی نہیں ہوں، یہ گناہ ہے۔۔"

بیوی نے ڈرامے کی اس اداکارہ کی ہو بہو نقل کرتے ہوئے کہا جسے اس کے شوہر نے ایسے ہی غصے میں کھڑے کھڑے تین طلاقیں دے دی تھیں، وہ تو رات کے اندھیرے میں جھٹ پٹ سامان اٹھا کر رکشہ کرا کے ماں کے گھر بھاگ گئی تھی مگر یہاں پردیس میں نہ رکشہ تھا اور نہ ماں کا گھر، اس لئے وہ ڈائیلاگ تو ویسے کے ویسے بول سکتی تھی مگر اس گھر سے جائے گی کہاں۔۔۔اور بچوں کا کیا کرے گی؟ ڈرامے میں بچے نہیں تھے۔۔

"ہم کون سا ٹھیک والے مسلمان ہیں، نہ ہم نماز پڑھتے ہیں اور میں تو روزے بھی نہیں رکھتا، تو پھر یہ کیا؟" ۔شوہر نے ورغلانے کی اپنی سی پوری کوشش کی۔

" آپ مجھے گناہگار نہ کریں، آپ مجھے اللہ کے حکم کے خلاف نہیں لے جا سکتے، ہاں آپ کے ساتھ کسی مسجد کے امام کے پاس جا سکتی ہوں اگر وہ کہہ دیں تو کوئی حرج نہیں۔۔ مگر اس طرح آپ کے ساتھ اب نہیں رہ سکتی۔۔گنہگار نہیں ہو سکتی۔"

"چلو کوئی تو راستہ بتایا بیگم نے"، شوہر اسے لے کر بھاگم بھاگ قریبی مسجد کے مولوی کے پاس پہنچا جہاں وہ کبھی کبھار عید کی نماز پڑھنے جاتا تھا۔مولوی صاحب نے ساری بات انتہائی تحمل سے سنی اور پھر آنکھیں بند کر کے اپنی سفید داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور کہا:

"یہ سب سن کر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ بدقسمتی سے آپ لوگوں کی طلاق ہو چکی ہے اور اس صورت میں آپ لوگ اکٹھے نہیں رہ سکتے، آپس میں بات نہیں کر سکتے ایک دوسرے کو چھو نہیں سکتے ورنہ یہ بہت بڑا گناہ ہو جائے گا کیونکہ اب آپ دونوں ایک

دوسرے کے لئے نامحرم ہوگئے ہیں۔۔"

" مگر مولوی صاحب ہم تو سارا دن کتنے نامحرموں سے باتیں کرتے ہیں، ساتھ کھاتے پیتے اٹھتے بیٹھتے ہیں، ہاتھ ملاتے ہیں اور اکٹھے ہی رہتے ہیں۔۔تقریباً۔۔۔"

" یہ شرعی مسئلہ ہے تم یا تو خود بول لو، یا میری بات سن لو۔۔" ۔مولوی صاحب کے چہرے پر ناگواری دیکھ کر بیوی تو ڈر گئی۔۔

نہیں نہیں یہ تو ہیں ہی ایسے، ایسے گھٹیا نہ ہوتے تو یہ گھناؤنی حرکت کرتے ، میں تو مولوی صاحب صرف بچوں کی وجہ سے ان کے ساتھ دوبارہ رہنا چاہتی ہوں کوئی حل بتائیے۔۔"

" حلالہ۔۔بس یہی ایک حل ہے ۔" مولوی صاحب نے توند پر ہاتھ پھیرتے ہوئے، آنکھیں پھر سے موندلیں۔۔

" حلالہ؟ شوہر چونکا۔۔یعنی اپنی ہی بیوی کو حلال بنانے کا طریقہ؟"

" تم پھر بولے۔۔ بولو منظور ہے کہ نہیں ۔۔؟ میرے قیلولے کا وقت ضائع ہو رہا ہے، غلطیاں تم لوگ کرو اور سزا ہم بھگتیں؟ ۔"

دونوں میاں بیوی آخری سہارا ہاتھ سے جاتے دیکھ کر بدحواسی میں اکٹھے ہی بولے " ہمیں منظور ہے مگر کرنا کیا ہوگا؟ "

" یہ ہوئی نا بات۔۔شکر ہے تم لوگوں میں اسلام زندہ ہے میاں! کرنا یہ ہوگا کہ اپنی بیوی کی شادی کسی اور مرد سے کروادو اور پھر تمھاری بیوی کا جب اس کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم ہوجائے تو اس سے طلاق دلوا لینا اس طرح تمھاری بیوی تم پر حلال ہوجائے گی او پھر سے تم سے نکاح کی اہل ہوجائے گی، بس اتنی سی بات، نادانو اسلام آسانی کا مذہب ہے۔"

" مگر مولوی صاحب غصہ انہیں آیا، غلطی ان کی اور کسی غیر آدمی سے شادی کر کے

اپنا جسم میں اسے پیش کروں؟ بیوی کو اب پتہ چلا ڈرامہ کیا ہوتا ہے اور حقیقت میں اپنے اوپر برتنا کیسا ہوتا، اس حل کے بعد تو اسے اپنی ساری ڈرامے بازی نکلتی محسوس ہوئی۔۔

" بی بی یہی ایک حل ہے، مولوی صاحب کی آنکھوں میں نجانے نیند کا خمار تھا یا کیا تھا، بی بی کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے

" حلالہ نہیں ہوگا تو ایسے ہی شوہر اور بچوں سے دور رہو گی، گھر ٹوٹ گیا ہے تم لوگوں کا، جوڑنے کا بس یہی ایک طریقہ ہے، اگر میری بات سننی نہیں تھی تو یہاں لینے کیا آئے تھے؟

" اسے چھوڑیں مولوی صاحب، میں اسے سمجھا لوں گا۔اس کے پاس اور کوئی راستہ نہیں، بچوں کی خاطر ہم دونوں کو یہ کڑوا گھونٹ بھرنا پڑے گا۔مگر مولوی صاحب میں ایسا آدمی کہاں سے ڈھونڈوں اور اگر ایسا مل بھی جائے تو کیا گارنٹی کہ وہ رات گذارتے ہی میری بیوی کو چھوڑ دے گا اور ہمارے کہنے پر طلاق بھی دے دے گا۔"

" ہاں یہ رسک تو ہوتا ہے اور اگر رسک فری کام کرنا ہے تو تمھیں میاں اس کے لئے بہت اعتباری اور شریف پرہیزگار بندہ چاہیئے۔"

" مگر یہی تو کہہ رہا کہ ایسا بندہ کہاں سے ڈھونڈوں مولوی صاحب اگر آپ کی نظر میں کوئی ہو تو۔۔۔؟" ہم آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھولیں گے۔۔ہمارا گھر بچا لیں مولوی صاحب۔۔۔"

اس کے گڑگڑانے سے مولوی صاحب کا دل پسیج گیا اسی لئے تو بولے:

" آج کے دور میں انسان صرف اپنے پر اعتبار کرسکتا ہے لہذا میرے لئے صرف میں ہی قابلِ اعتبار ہوں، باقی میاں کسی کی گارنٹی نہیں۔۔100% رسک فری کام کے لئے مجھ سے زیادہ موزوں کوئی اور نہیں ہوسکتا۔تم لوگوں کی پریشانی دیکھی نہیں جا رہی"۔

" آپ مولوی صاحب۔۔۔؟؟ دونوں کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔۔

"ہاں میں ناچیز ہی یہ کڑوا گھونٹ بھر لیتا ہوں، مگر میں اس کام کا معاوضہ لیتا ہوں، زیادہ نہیں 5000 ڈالر، مگر سب کام صاف ستھرا ہوتا ہے۔"

بیوی نے شوہر کو شکایت بھری نظروں سے دیکھا۔۔اور شوہر نے ان نظروں کا مطلب اپنی طرف سے سمجھتے ہوئے تسلی دی:

"پیسوں کا انتظام ہو جائے گا تم فکر نہ کرو بیگم۔۔"

"بس یہی انتظام ہے کرنے والا، جو تم کر لو گے؟۔۔۔۔۔۔اور شوہر نے بیوی کی اس بے کار بات کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔۔

اور مولوی صاحب پیٹ پر ہاتھ پھیرنے اور ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ'' (اور تم خدا کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے) کی تسبیح با آواز بلند کرنے میں مصروف ہو گئے اور اب وہ سکون سے قیلولہ فرما سکتے تھے اور بیوی ان کے حلق سی نکلی عربی الفاظ کی تسبیح سے دل میں تشویش کی بجائے عقیدت محسوس کرنے لگ گئی "ماشاءاللہ مولوی صاحب نے کیسی حسین آواز اور تلفظ پایا ہے"۔

اور شوہر تو ویسے ہی مولوی صاحب کا احسان مند ہو گیا تھا، کیوں نہ ہوتا آخر انہوں نے حرام بیوی کو حلال کرنے کا طریقہ بتا کر اس کے گھر کو ٹوٹنے اور بکھرنے سے بچا لیا تھا۔

اس کے دل نے بھی خاموشی اور سرشاری سے کہا: ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ''

نیا جنم

گود میں پڑے سیل فون کی گھنٹی بجی تو میرے پورے جسم میں ارتعاش پھیل گیا، نامعلوم نمبر تھا۔ سوچا گاڑی چلاتے ہوئے اٹھاؤں یا نہیں۔ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ انگلی فون کے سپیکر پر دب کر اسے آن کر گئی۔ ہیلو! میرے منہ سے جیسے ہی نکلا دوسری طرف سے انتہائی پنجابی جٹ لہجے میں اردو بولتی کھردری سی آواز نے انتہائی غصے میں مجھ سے پوچھا۔

" آپ کیسی ہو جی؟؟؟"

"جی جی۔۔" میں نے سگنل پر بریک لگاتے ہوئے کہا۔

"بھاگ گئی کسی یار کے ساتھ، حرامجادی اس کا اپنا تو منہ کالا ہی تھا ہم سب کا بھی کر گئی۔" آواز نے کسی لحاظ کے بغیر اپنا مدعا بیان کیا۔

" کون بھاگ گئی، کہاں بھاگ گئی، کون ہیں آپ؟" میرا دھیان پچھلی سیٹوں پر بیٹھی اپنی بیٹیوں کی طرف گیا وہ پنجابی، اردو گالیوں کو شائد نہیں سمجھتی تھیں، مگر موسیقی کی طرح گالیوں کی بھی کوئی زبان نہیں ہوتی اسی لئے جب میں نے بیک ویو مرر سے ان کے چہروں کا رنگ بدلتے دیکھا تو فون کا سپیکر بند کیا اور کانپتے ہاتھوں سے اسے کان کے ساتھ جوڑ دیا۔

" آپ بھولی نہ بنیں جی، آپ تو اس کی رب، بھگوان، وائے گرو، سب ہیں نا جی، آپ کی تو آرتی اتارتی تھی"، لہجے کی کاٹ میرے کان تو کاٹ ہی رہی تھی مگر معاملے کی

تہہ تک پہنچتے ہی میرا کلیجہ بھی کٹ گیا۔۔ امرت کور؟ یہ نام خون کے قطرے کی طرح میرے اندر کہیں گرا۔" دلجیت سنگھ ہیں آپ؟" میں نے آواز کو نارمل رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اور کون ہو سکتا ہوں میں؟ یہ بھی چھڈ دیں جی میں کون ہوں یہ بتائیں وہ کتھے گئی؟" آواز میں ترشی بڑھتی جا رہی تھی۔

"ابھی تم مجھے اطلاع دے رہے ہو کہ وہ بھاگ گئی، میں تمھیں کیسے بتاؤں وہ کتھے گئی۔۔" غصہ میرے رگ و پے میں پھیلنے لگا۔

"نہ بتائیں جی، پولس میں رپورٹ کر دی ہے، مگر آپ اسے یہ جرور بتا دیں جس دن ہتھے چڑھ گئی، اس کی نک وڈ دینی ہے اور اس کے یار کی تون (گردن)۔"

"یہ کینیڈا ہے دلجیت سنگھ تمھارا پنجاب نہیں۔۔" غصہ اور غم اب مجھے پورا نگل چکا تھا، "اس کی ناک کاٹو گے تو پولیس تمھارا گلا کاٹ دے گی۔" میں نے اپنی طرف سے اسے دھمکانے کی کوشش کی۔

اب میں گاڑی بچوں کے سکول کی پارکنگ میں کھڑی کئے ساکت بیٹھی تھی۔ میری دونوں بیٹیاں نہ جانے کب مجھے بائے بائے کر کے کینیڈا کی آزاد اور پرسکون فضا میں شامل ہو چکی تھیں۔ اور میں کینیڈا کی اسی فضا میں گاڑی پارک کرنے کے باوجود اس کی تازگی اور آزادی اپنے اندر نہیں اتار سکتی تھی۔ میری گاڑی کے شیشے بند تھے اور میں اندر سے پنجاب سے آلودہ ہو رہی تھی۔

اندر سے وہ پوری رنڈی تھی، کسی کوٹھے کا بیج تھی، غلطی سے شریف گھر میں پیدا ہو گئی اور اس سے بھی بڑی غلطی، مجھ جیسے شریف گھرانے کے آدمی سے بیاہی گئی۔۔ اب دلجیت کے انداز میں پراپگینڈہ کی وہ پلاننگ تھی جو اس کے پورے خاندان نے بیٹھ کر کی ہو گی کہ

اس خبر کو پھیلانا کیسے ہے۔

شریف آدمی تمھیں آج نظر آیا کہ وہ بھاگ گئی۔؟ وہ تو نہ جانے کتنی دفعہ بھاگ گی ہے۔۔ میرا دل کر رہا تھا کہ اس سے بھی زیادہ کوئی سخت بات کروں جس سے اس کی غیرت کہیں کی نہ رہے مگر اس سے زیادہ نہ مجھ میں کچھ کہنے کی ہمت تھی نہ اسکی بکواس سننے کی لہٰذا میں نے فون بند کر دیا۔ اپنا سر سیٹ کی بیک پر پٹک دیا۔۔ اور جب بند آنکھوں کے پیچھے گھٹن اتنی بڑھ گئی تو ان کے کناروں سے خاموش پانی اپنا راستہ بناتا باہر نکلنے لگا، گھٹن تو یہ بے جان، ننھے ننھے قطرے نہیں برداشت کر سکتے اور بہہ جاتے ہیں وہ تو پھر پوری جاندار اور متحرک عورت تھی۔

"میں ہوں پنجاب کی پوری جُٹی" اس کے ساتھ ایک انتہائی زندہ اور خالص قہقہے نے میرے اندر ایک ہلچل مچا دی تھی۔ کینیڈا کی سرد، دوغلی، اور ماڈرن زندگی میں پینٹ شرٹ، لانگ شوز پہنے، پنجاب کی اس جُٹی نے مجھے سات سال پہلے مجبور کر دیا تھا کہ میں اس کے چہرے کی یک رنگ کو غور سے دیکھوں۔

میں نے اسے کہا" امرت کور یہ کینیڈا، یہ پینٹ کوٹ تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکا تم سر پر لسی کی چاٹی رکھو، ہاتھ میں ساگ اور مکئی کی روٹی کی پوٹلی اٹھاؤ اور نکل جاؤ کھیتوں میں اپنے دلجیتے کو کھانا کھلانے"

"ہو ہائے۔۔ لے دسو۔۔" اس کے ساتھ وہ مجھ سے بڑی پیاری انگریزی میں بات کرنے لگی تھی۔۔

"نہ نہ میں نے ہاتھ کھڑے کرتے ہوئے کہا تھا۔۔ still i am not impressed۔۔ امرت تمھارا جالندھر نہیں مرا نہ تمھارے اندر تو رہنے دو مت مار واسے، اپنے اس ایک چہرے کی خوبصورتی اور قدر تمھیں نہیں پتہ تو مجھ سے پوچھو میں بتاؤں گی۔۔"

" سیمیں جی! تسی مینوں چنگے لگدے او، کیوں؟ اس کا کارن؟ مجھ سے پچھو۔۔" اس کی خوبصورت آنکھوں میں شرارت کی پھلجڑی چلی۔

" دسو۔۔" میں نے اسی کے انداز کی نقل کرتے ہوئے کہا تھا۔۔

" آپ ابھی تک ایک منہ والے لوگوں کی پچھان رکھتے او، اور ان کی قدر کرتے ہو، ورنہ مجھ نکمی کو کون منہ لگاتا ہے، آپ میں کچھ ہے بھگوانوں جیسا، میں لاکھ نکمی سہی لیکن صاف دل والوں کو پچھان لیتی ہوں۔ آپ میری سہیلی بن جاؤ۔ بس!" اس نے اعلان والے انداز میں کہا تھا۔

میں ہنس پڑی۔۔" یہاں کس کو وقت ہے سہیلی بننے کا مگر میں تمھاری سہیلی ہی ہوں۔۔"

" میری سسٹر بن جاؤ۔۔اس نے میری گردن کے گرد باہیں ڈال کر مجھے چمٹتے ہوئے کہا۔۔"

اچھا اچھا، اب میری ایکدم سے اتنی پرموشن نہ کرو" میں نے ہنستے ہنستے اس کے بازو اپنی گردن سے جدا کرنے کی کوشش کی۔

وقت کے ساتھ ساتھ اس کے بازو میری گردن کے گرد اور کستے گئے, ملنے ملانے کا وقت نہ اس کے پاس ہوتا نہ میرے پاس۔ مالٹن اور ملٹن کے شہروں میں فاصلے تھے مگر فون کی تاروں نے ہمیں آپس میں باندھ رکھا تھا۔

پھر ایکدم وہ غائب ہوگئی، کوئی رابطہ نہیں، دو سال ایسے ہی گذر گئے۔ آج بچوں کے سکول کی پارکنگ کے باہر کھڑی ہوئی میں سوچ رہی ہوں مجھے ان دو سالوں میں ایک دفعہ بھی خیال نہیں آیا کہ وہ کسی مصیبت میں ہوگی۔ میں اپنی زندگی کی الجھنوں کو سلجھانے میں اور اپنی ذات کو بچانے کے چکر میں اردگرد سے ویسے ہی بیگانہ ہوتی جا رہی تھی۔ پھر بھی کبھی

کبھار روٹین میں اس کا نمبر ڈائل کر دیتی ، نمبر بند ملتا۔ اور اس کے بعد میں کچھ اور میں مصروف ہوجاتی اور پھر ایک دن اچانک اس کا فون آگیا۔ اور اس کی آواز سنتے ہی مجھے احساس ہوا کہ یہ تو بہت دنوں بعد فون کر رہی ہے، میں نے اسے موقع دیئے بغیر فوراً گلے شکوؤں کی دکان کھول دی، وہ پہلے یہ شٹر گرانے کی کوشش کرتی رہی۔ پھر ایکدم رو پڑی، میں بولتے بولتے چپ ہوگئی یہ سسکیاں کہاں سے ابھر رہی ہیں۔ اگر دوسری طرف امرت کور ہے تو اب تک قہقہہ کیوں نہیں سنائی دیا۔ امرت؟؟ میں نے سہمے سہمے پوچھا۔۔تم رو رہی ہو؟

آنسوؤں، ہچکیوں، بار بار فون بند کرنے کے بعد مجھے بات کچھ اس طرح سمجھ آسکی کہ وہ معاشی پریشانیوں کا بہت برے طریقے سے شکار رہی تھی۔ اس کے شوہر نے اپنے آپ کو بھی اور اس کو بھی بنک کرپٹ کروا دیا تھا، اس کے علم کے بغیر اس کے نام کی کریڈٹ لائنز لے لی تھیں، امرت کے کریڈٹ کارڈ استعمال کر لئے تھے، اس کے 3600 سکوئر فیٹ والا گھر اور اس کی مرسڈیز، کچھ بھی اب اس کے پاس نہیں تھا۔

یہ دھوکہ صرف پیسے کا ہی نہیں تھا، اعتماد کے رشتے کا خون ہو چکا تھا۔ مجھے پتہ چل گیا تھا کہ اس رشتے میں اب عمر بھر کی بے یقینی مقدر بن گئی ہے اور معصوم اور مخلص، اعتماد کرنے والی لڑکی اپنا یہ ہنر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کھو چکی ہے۔

پھر ایکدن جب وہ ہڈیاں ابھرے چہرے کے ساتھ پرانی، زنگ آلود کرولا میں مجھ سے ملنے آئی تھی تو میں نے اسے کہا تھا میری پنجاب کی جُٹی کہاں ہے؟

اس نے ہنسنے کی کوشش میں روتے روتے میرے گلے لگتے ہوئے کہا" وہ اب کرائے کی بیسمنٹ میں دھیرے دھیرے دفن ہو رہی ہے، سیمیں جی ہم لوگ مردے جلاتے ہیں مگر سکھوں میں اب نیا رواج پڑنے والا ہے زندہ مردوں کو دفنانے والا۔۔"

"مالی مسائل سے اتنا نہیں گھبراتے ، یہ شکر کرو تمھارے بچے ،تم اور تمھارا شوہر سب صحتمند ہیں" ۔ میں نے ٹشو سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا تھا۔

"بچوں کو رب جندگی دے ،مگر میں جینا نہیں چاہتی ۔" امرت کے آنسو ٹشو بھگوتے جارہے تھے۔۔

" صرف اس لئے کہ تمھارا بڑا گھر اور نئے ماڈل کی گاڑی نہیں رہی؟"

"یہ بات نہیں ہے۔۔" وہ ایک طرف گم سم سی دیکھتی جارہی تھی ۔

" تو کیا کولیکشن ایجنسیوں کی کالز نے تمھارے اعصاب متاثر کر دئے ہیں اور اس کے بعد بنک کرپٹ ہونے کی ذلت؟ کیوں موت کی بات کررہی ہو؟ کیوں ہنسنا بھول گئی ہو؟ میں اس کے ہاتھ سہلا رہی تھی مگر وہ موت کی طرح ٹھنڈے ہو رہے تھے۔

"وہ مجھے چھڈ کر چلا گیا تھا جس نے میری رکھشا کی جمہ واری اٹھاتے ہوئے کہا تھا ساری جندگی میری حفاظت کرے گا وہ کائیر پیسے کی تنگی میں مجھے فنسا کر اپنے ماں باپ کی بکل میں گھس گیا تھا، سارا کچھ سہ سکتی تھی ، اپنے ساتھ کھڑا کر کے شڑک پر بھیک مانگنے کو کہتا وہ بھی کر لیتی ، پر مجھے کلا کر گیا ، یہ بات نہیں جہن (ذہن) سے نکلتی بس فنس سی گئی ہے ، سیمی جی اب واپس بھی آ گیا ہے مگر اس وقت کو کیسے بھولوں جب میں اپنے ماں باپ اور بھائیوں سے پیسے منگ منگ کے ان مسئلوں سے نکلی تھی ، گراسری تک میری ممی میرے ساتھ جا کے کرتی اور جب پیسے دینے کی باری آتی تو میں بے شرموں کی طرح اپنی بوڑھی ممی کو اپنے پنشن کے پیسوں سے بل دیتے دیکھتی اور اپنی گیلی اور بے شرم آنکھیں ادھر ادھر کر دیتی ، اس سب نے مجھے مار دیا ہے اور اب میں جندہ تو نہیں ، ایک جیوندی جاگدی لاش آں ، بچوں کو جب کچھ تر و کے اتنے بڑے گھر سے بیسمنٹ میں لا کر فینکا تو میرا چھوٹا بہت بلک بلک کے رویا تھا اور وڈے نے کہا تھا ماما اب میں اپنے دوستوں کو گھر نہیں لاسکتا ، میں تھاہ مر گئی سیمی

جی ، ان بچوں نے ہمیں چٹھی نہیں ڈالی تھی کہ ہمیں پیدا کرو۔ ہم نے انہیں پیدا کیا اور اب یہ ذلت بھری زندگی دی انہیں؟ یہ سب باتیں بھی بھول سکتی ہوں مگر مجھے کلم کلی کو چھڈ گیا ، یہ بات ذہن سے نہیں نکلتی ۔۔ میرا ٹشو پیپر آنسوؤں سے بھر گیا مگر اب اس کی آنکھیں آنسوؤں سے خالی تھیں ، ان کے اندر دھوکے اور زخم نظر آ رہے تھے۔

یہ زخم بھی ذہن سے نکالنے کی کوشش کرو ، زندہ ہو تو پھر زندہ رہ کر ہی جئو ، امرت مردے زیادہ دن سپورٹ لائف پر نہیں جی سکتے ۔ کوئی بھی ان کی سپورٹ ختم کر دے تو بس کہانی ختم ۔۔ میں نے کمزور سی آواز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی ۔

اور یہ دلجیت سنگھ سمجھ رہا ہے وہ آج بھاگی ہے ۔۔ ہاہا ۔۔ وہ تو اس دن ہی بھاگ گئی تھی جب وہ اسے مالی پریشانیوں سے گھبرا کر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ دلجیت نے سمجھ لیا کہ وہ واپس آ گیا اور وہ پھر سے اکٹھے ہو گئے ؟ س ناقص عقل نے یہ نہ دیکھا کہ جب وہ واپس آیا تو امرت کو رتو وہاں تھی ہی نہیں ۔

وہ اسے اپنے ساتھ بٹھا کر باتیں کرتا ، اس کے ہاتھ کا پکا کھانا کھاتا ، اور رات کو اس کے ساتھ جب سوتا اور سرشاری کے انتہائی لمحے میں کہتا " رب دا شکر ہے اسی فیرا کٹھے آں" اور وہ اس کی فراغت کے بعد اسے دھکا دے کر پیچھے کرتی ، بھاگ کر شاور کے نیچے جا کر کھڑی ہو جاتی اور اپنا جسم مل مل کر دھوتی اور اگلے دن مجھ سے کہتی ،

" اچھا اب میں ایسا نہیں کہتی کہ میں مر جاؤں مگر سیمیں جی کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ میں صرف " اُن پندرہ منٹوں " کے لئے مر جاؤں" ۔ میں ڈانٹتی تو بڑے درد سے کہتی " اچھا پندرہ منٹوں کے لئے بھی نہیں مرتی مگر کیا بے ہوش ہو سکتی ہوں؟"

میں اسی کار پارکنگ میں گاڑی میں بیٹھے بیٹھے پتھر کی ہو گئی ہوں ۔

ہوں !! پھر بھی ہنکارا بھرتی ہوں ، " تو دلجیت سنگھ کو نظر آ گیا کہ وہ بھاگ چکی ہے "

میں نے تو اس کے بھاگنے کی آواز اس وقت بھی سنی تھی جب ایک دن میں نے اسے کال کی تو فون اٹھاتے ہی بولی تھی:

"سیمی جی اس وقت فون کیوں کیا؟"

" کیوں اس وقت کیا ہے؟ میں اس کے انداز سے چونکی۔

"میں اپنا کام کر رہی تھی" اس کی آواز میں سرشاری تھی۔۔

"اپنا کام؟ میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"ہاں جی وہی کام، جو وہ کتا رات کو میرے ساتھ کرتا ہے.

میں خوفزدہ ہو کر بولی،" کون ہے تمھارے ساتھ۔۔؟

اس کا وہی پنجابی قہقہہ ابھرا۔۔

" کوئی تو ابھی ڈھونڈ رہی ہوں۔فی الحال میں خود کافی ہوں اور اب پتہ چلا انسان یہ کام کیوں کرتا ہے "

مجھے کراہت سی محسوس ہونے لگی تھی، میں نے کیوں کا جواب بھی نہ پوچھا، وہ خود ہی بول اٹھی:

"جب انسان کا اپنے ساتھ سے اعتبار اٹھ جاتا ہے"۔

جس کام سے فون کیا تھا وہ بتائے بغیر میں نے فون بند کر دیا, اس کے بعد بہت دنوں تک میں نے اس سے رابطہ نہ کیا۔وہ مجھے فون کرتی تو میں جان بوجھ کر یا تو فون اٹھاتی ہی نہیں تھی اور جب اٹھاتی تو ہیلو کہتے ہی کہہ دیتی کہ میں مصروف ہوں دوبارہ کرتی ہوں اور پھر کبھی نہ کرتی تھی۔۔

پھر ایک دن اس کا مجھے سیل فون پر ٹیکسٹ آیا کہ "میں نے آپ کو اپنا بھگوان، خدا ،رب سب کہا تھا اس کا یہ مطلب نہیں کہ جیسے وہ ہماری نہیں سنتے آپ بھی میری سننا چھوڑ دو

،آپ اب میری ماں، باپ، بہن، بھائی اور دوست سب کچھ ہو، دیوتاؤں کے جوتوں سے نکلو، ان دنیاوی رشتوں میں گھسو اور مجھے دیکھو میں بہت تکلیف میں ہوں۔"

میرے اندر کا جج اس پیغام کے بعد ایک دم ڈھیلا پڑ گیا، میں نے اسی وقت اسے فون کیا اور جھوٹے سچے مصروفیت کے بہانے لگانے کے بعد اس کا حال چال پوچھا۔۔

دو خوشخبریاں ہیں۔۔اس نے چہکتے ہوئے کہا۔

"تمھارا تو میسج تھا کہ تم تکلیف میں ہو" میں نے سکون کا سانس لیتے ہوئے مصنوعی غصے سے کہا۔

"جس چیز کی عادت نہ رہے وہی تو تکلیف دیتی ہے"۔ پتہ نہیں اتنی گہری باتیں اسے کب کرنا آ گئی تھیں۔

"خوشخبری نمبر ایک: اب کتا میرے پاس رات کو کم کم, بلکہ نہ ہونے کے برابر آتا ہے اور پھر وہی پنجابی قہقہہ مارتے ہوئے بولی,

"ٹائلٹ میں گھنٹہ گھنٹہ لیپ ٹاپ لے کر گھسا رہتا ہے, اچھے حالات ہوتے تو میں آپ کو کہتی لیپ ٹاپ میری سوکن بن گیا ہے مگر اب تو میرے لئے کیا آپ کہتی ہو "رحمت, ہاں رحمت "بن گیا ہے"۔

خوشخبری نمبر دو: مجھے ایک صحیح پنجاب کا غیرت مند، ذہین گھبرو جوان مل گیا ہے اور اب اس کے ساتھ کی وجہ سے آپ کی پنجاب کی جُٹی کا revival ہو جائے گا یعنی "جُٹی کی واپسی ۔ہاہاہاہا"، میں نے بہت عرصے بعد اس کا خالص قہقہہ سنا اور مجھے سمجھ نہ آئی ان دونوں خوشخبریوں پر میں کیا ردِعمل ظاہر کروں، میں نے چہرے پر فقط مسکراہٹ گھسیٹتے ہوئے پوچھا,

" تو کیا تم دلجیت سنگھ کو چھوڑ رہی ہو؟

"لے دسو!! بچوں کو رول دوں؟ کیا سوچیں گے پہلے باپ بھاگ گیا اب ماں چھڈ

گئی، پھر آپ کو تو پتہ ہی میرے اپنے بھائی اور ماں سب سے پہلے انہوں نے شور مچانا ہے اور کہنا ہے ساڈی نک کٹی گئی، میرا ساتھ کون دے گا، نہ جی اس کو اسی طرح ساتھ رکھنا ہے اور اب بس میں نے دوغلی بن جانا ہے پھر ایکدم اسے کچھ یاد آ گیا اور چونکتے ہوئے بولی آپ کو تو میرا ایک چہرہ پسند تھا نا اسی وجہ سے آپ نے دھرم کو درمیان میں لائے بغیر مجھ سے دوستی کی تھی، آپ مجھے چھوڑ تو نہیں دو گی؟ "رب دے واسطے آپ مجھے کبھی نہ چھوڑ نا۔"

"رب دے واسطے آپ مجھے کبھی نہ چھوڑ نا۔" مجھے ایکدم لگا امرت کے یہ الفاظ پارکنگ ایریا میں چیخ رہے ہیں اور میرے ہاتھ سٹیرنگ کے اوپر بے جان سے ہو گئے، سمجھ نہیں آرہا تھا اس ذہنی کیفیت میں گاڑی چلا کر گھر کیسے جاؤں گی۔۔

وہ بھاگی تو بہت دفعہ تھی، کبھی بچوں کے لئے، کبھی ماں باپ کے لئے، کبھی بہن بھائیوں کے لئے، کبھی کمیونٹی کے لئے وہ بھاگی ہوئی نظر نہ آتی تھی، اپنے بھاگنے کو چھپانے کے لئے اس نے دوغلا پن اپنا لیا تھا مگر اب وہ کیوں ایسے بھاگی کہ نظر آ گئی، سنائی دے گئی، محسوس ہو گئی۔۔ کیوں؟؟؟؟؟؟؟؟

"وہ اندر سے رنڈی تھی جی" دلجیت کے الفاظ سوئے ہوئے بھی میرے کان میں گونجے تو میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی، ساتھ لیٹے ہوئے اپنے شوہر کے بازو پر سر رکھ کر اس کے سینے کے ساتھ دبک گئی۔

" کیا رنڈی میری دوست تھی؟ وہ جاگ گیا تھا، اس نے مجھے ساتھ بھینچتے ہوئے کہا میں تو تمہیں پہلے ہی کہتا تھا سکھ عورتیں اور طرح کی ہوتی ہیں اور یہ تو کچھ زیادہ ہی۔۔۔ میں نے بات پوری ہونے سے پہلے دھکے سے اسے اپنے سے پیچھے کر دیا، اور چلائی:

"نہیں وہ صرف جینا چاہتی تھی ,وہ عام سی زندہ عورت تھی، قہقہہ مار کر ہنسنا، اپنی مرضی کے کپڑے پہننا اور بارش میں ناچنا چاہتی تھی، کہہ لو بس اپنی زندگی کو زندوں کی طرح،

اپنے دل کے حساب سے جینا چاہتی تھی مگر یہی اس کا جرم بن گیا سب اسے مارنے کی مسلسل کوشش میں لگے ہوئے تھے مجھ سے بات مکمل نہ ہو سکی اور میں روتی روتی اپنے کمرے سے نکل کر اپنی بیٹیوں کے کمرے کی طرف بھاگی۔

میرا شوہر بھی میرے پیچھے پیچھے آ گیا کیونکہ اس کی نیند اکھڑ گئی تھی" واپس کمرے میں آؤ"

"نہیں آتی" میری رگیں تن گئیں،

وہ منت سماجت پر اتر آیا، میں ڈٹی بیٹھی رہی اور آخر کار جب بچیاں نیند سے ڈسٹرب ہونے لگیں تو اس کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور وہ غصے سے چلایا،

"بدکردار عورتوں سے دوستی رکھو گی تو میری بیٹیوں پر بھی اثر پڑے گا تم جاؤ جہنم میں"۔۔ وہ اپنی شکست کو اپنے تئیں پیروں تلے کچلتا اور مجھے دانتوں میں کچکچاتا چلا گیا۔

امرت کور جب مردہ حالت میں میرے پاس آئی تھی تو میں اس کے جنازے کی چارپائی اکیلے نہیں اٹھا پائی تھی اور اس رات میں نے اپنے شوہر کو اس کے بارے میں سب بتا دیا تھا۔ اس وقت اس نے مجھے سمجھایا کہ امرت سے دور رہو ایسی مسائل زدہ عورتیں، نفسیاتی مسائل کا شکار ہوتی ہیں، تم پر چاہتے نہ چاہتے ہوئے بھی اثر ہو جائے گا اور میں اس کے بعد جب بھی امرت کور کی کوئی بات سنتی، چاہتے یا نہ چاہتے میرے دل میں شوہر کی طرف سے دی ہوئی وارننگ کا الارم بجنے لگتا تھا اور میرے اندر بیٹھا جج اپنا ہتھوڑا لئے حدِ ادب حدِ ادب کہتا میز بجانے لگتا۔ کیا میں امرت کور کو سنگسار کرنے والوں میں انجانے طور پر شامل ہو چکی تھی؟

اس کا جواب مجھے دو دن بعد مل گیا۔ امرت کور پڑھی لکھی ہونے کے باوجود کمپیوٹر کو استعمال کرنے میں ہمیشہ ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرتی تھی۔ مگر آج میرے ان باکس میں اس کی

طرف سے آیا ہوا پیغام جگمگا رہا تھا۔ میں نے بے تابی سے اسکی ای میل کھولی، رومن اردو میں تھی، جسے وہ ہندی کہتی تھی۔۔

سیمیں جی! نمستے!

مجھے پتہ ہے اب تک آپ کو میرے بھاگنے کی خبر جرور مل گئی ہوگی کیونکہ گھر چھوڑنے سے پہلے جو پورا ہفتہ تھا دلجیتا آپ کو بہت کوسنے دینے لگ گیا تھا، وہ سمجھتا تھا کہ اس کے ساتھ جو موت جیسا ٹھنڈا اور خاموش ایگرمنٹ اور اپنی ذات پر توجہ دینے کا جو کام میں نے شروع کیا ہوا ہے وہ آپ نے مجھے کوئی پٹی پڑھائی ہے کیونکہ چاہتے نہ چاہتے ہر بات میں آپ کا نام میرے منہ سے نکل جاتا تھا۔ میرے لئے تو جی سب کچھ آپ ہی تھی نا، میں کوئی بات چھپا نہیں سکتی، جتنی بھی دوغلی ہو جاؤں، پھر بھی پیٹ کی ہلکی ہی رہوں گی۔ پہلے اس کے سامنے کھلی کتاب کی طرح تھی مگر جب اس کے سامنے میں نے اپنے سارے ورقے سمیٹ لئے تو پھر آپ میری بھگوان بن کر میری زندگی میں آگئیں۔ جب میں اللہ یا بھگوان کہتی تو کہتا ہندو یا مسلی ہو جا، سکھ دھرم میں تیرے جیسی جاتی کا کیا کام، رب کی جگہ آپ میری بات سنتی تھی، مجھے آپکا بڑا سہارا ہو گیا تھا جی، ویروار کو پتہ ہے نہ میں ورت (اپواس) رکھتی ہوں، اس دن بھی ویروار تھا، اس نے جیادہ ہی پی لی۔ چیزیں اٹھا اٹھا کر مجھے مارنے لگا میں اپنے آپ کو بچانے لگی، پھر بھی کچھ سخت چیز سر پر لگی اور خون بہنے لگا میں اپنا خون دیکھ کر ڈر گئی کملیوں کی طرح یہاں وہاں بھاگنے لگی، اسی وقت بیسمنٹ کی سیڑھیوں سے مجھے اپنے ممی ڈیڈی اور بھائی اترتے نظر آئے اور میں بھاگ کر ان کو چمٹ گئی، ممی نے ایک لمحے میں مجھے سینے سے لگا لیا۔۔ میں نے امید بھری نظروں سے انہیں دیکھا اور کہا ممی مجھے اس کے ساتھ نہیں رہنا، ڈیڈی اور بھائی نے کھینچ کر مجھے ممی کے سینے سے الگ کیا اور کہا، "شریف کڑیاں گھر بساتی ہیں"، ہماری ناک کا سوچ اپنے چونچلوں کا

نہیں، نبٹ، یہاں رہ کے نبٹ۔" اور دونوں میری ممی کو درمیان میں گھسیٹتے ہوئے واپس لے گئے، اس دن میں نے آپ کو رب کے ساتھ ساتھ اپنا پریوار بھی بنا لیا تھا اور آپ کو نہ بتانے والی باتیں بھی بتانے لگی۔

ادھر پروین‌در سے دل لگا لیا، ایسا لگنے لگا وہ میرا کیا کہتے ہیں soul mate ہے یا مجھے اس غم سے نکالنے والا وہی ایک بندہ ہے، میرا یہ ناجائز رشتہ آپ کو پسند نہیں آیا تھا اور آپ مجھے منع بھی نہ کرتی تھیں لیکن آپ کی آنکھوں کا بدلتا رنگ مجھے سمجھ میں آتا تھا، آپ میرے ساتھ چپ ہو گئی تھیں۔۔ میں لئے آپ کی چُپ سہنا بڑا عذاب تھا، لیکن میں نے وہ بھی سہہ لیا۔ آپ کی چپ بھی مجھے کہنے لگی "ہُن آپ نبٹ"۔

اور پھر آخیر اس دن ہو گئی جس دن سیمیں جی میرے اٹھارہ سال کے بیٹے نے چھوٹے بیٹے کے سامنے مجھے دھکا دے کر زمین پر گرایا اور کہا، "آ لینے دے پاپا کو بتاتا ہوں تو فون پر کس سے دانت نکال نکال کر باتیں کرتی رہتی ہے" اور میرے ہاتھ سے میرا فون کھینچ کر میرے سر پر دے مارا اور کہنے لگا ماما اس سے اچھا تم مر جاؤ"۔

تو مجھے لگا یہ بات آپ کو بھی بتائی تو آپ کی چپ اور بڑھ جائے گی بس پھر میں اس دن چپ چپیتے پچھلے سارے دروازے بند کر کے پروین‌در کے پاس آگئی اور اس کے سامنے اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹا دیا۔۔

اس نے بس اتنا کہا "امرت میرے بال بچے ہیں، پورا پریوار ہے، پر تیرا دکھ سمجھتا ہو، تجھے کلا نہیں چھوڑوں گا، یہاں ایک اپارٹمنٹ لے دیتا ہوں تیرے پاس گڈی ہے، تو یہاں موج کرنا میں تیرے پاس آتا جاتا رہوں گا۔"

اب میں یہاں مانٹریال آگئی ہوں، سیمی جی یہ بات کسی کو نہ بتانا، آخری دفعہ آپ کو اپنے گندے کرتوتوں کا ہم راز بنا رہی ہوں۔۔ دلجیتا کہتا تھا، میں رنڈی تھی غلطی سے شریف گھرانے میں پیدا ہو گئی تھی اور شریف گھر میں بیاہی گئی تھی۔ سیمی جی دنیا، میرا کھاندان

، بچے جو بھی سمجھتے رہیں بس آپ اتنا جان لو کہ میں پہلے رنڈی نہیں تھی مگر اب ہوگئی ہوں۔

اس سے زیادہ لکھا نہیں جا رہا، میں آپ کی دوستی کے قابل نہیں رہی، معاف کر دینا اور اپنا بہت جیادہ خیال رکھنا۔۔"

میں نے ای میل پڑھ کر جلدی سے ڈیلیٹ کر دی اور پھر ڈیلیٹیڈ آئیٹمز میں جا کر پھر ڈیلیٹ کر دی کہ کہیں میرا شوہر نہ پڑھ لے، اس خوف سے امرت کو میں نے کھرچ کھرچ کر اپنے ان باکس سے نکال دیا اور لیپ ٹاپ بند کیا اور اپنے ساتھ لیٹے ہوئے شوہر کے کندھے کو آہستہ سے سے ہلا کر پوچھا،

" کیا امرت کور بدکردار تھی؟

اس نے کتاب بند کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور خمار بھری آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بڑے پیار سے کہنے لگا،

"نہیں وہ بس زندہ رہنا چاہتی تھی"

میں چلائی، "سجاد تم جھوٹ بولتے ہو, وہ رنڈی تھی۔۔"

اس نے تمسخرانہ انداز سے کہا "نہیں یار وہ بس بارش میں رقص کرنا چاہتی تھی"

پھر ایکدم سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا "اب تم پھر نہ بچوں کے کمرے میں بھاگ جانا, میں ایک فضول عورت کے لئے اپنے بیڈروم میں یہ روز روز کا تماشا نہیں برداشت کر سکتا"

یہ کہہ کر اس نے غصے سے لیمپ بند کر دیا اور میں نے اندر ہی اندر پوری قوت سے چیختے ہوئے امرت کور سے پوچھا،

" کیا کوئی ایسی موت ہوتی ہے جو صرف پندرہ منٹ کے لئے آ جائے، اچھا موت نہ سہی بے ہوشی ہی سہی۔؟

اور مانٹریال کے سرد علاقے کی طرف سے اس کا جواب آیا،

" سیمی جی میں پہلے رنڈی نہیں تھی۔۔ میں دوبارہ پیدا ہوئی ہوں۔"

تنہائی کے بیوپاری

تہمینہ بالکنی میں کھڑی آسمان سے گرتے روئی کے سفید پھولوں کو ایسے دیکھ رہی تھی جیسے آسمانوں کے پار سے اس کی تنہائی دور کرنے بہت سے دوست اور رشتے دار اکٹھے ہو کر آ رہے ہوں۔ انہیں اپنی طرف آتا دیکھ کر اس کا دل خوشی سے باغ باغ ہو رہا تھا، اس نے مسکرا کر انہیں خوش آمدید کہا اور جب وہ اس کے پاس پہنچے تو اس نے ہاتھ بڑھا کر ان کے لمس کو محسوس کرنا چاہا مگر وہ برف کے پھول ٹھنڈے ٹھار تھے، اس کے ہاتھ کی گرمی میں آتے ہی پانی پانی ہو گئے اور جو اس کے ہاتھ کی پہنچ سے دور تھے وہ زمین کی طرف لپک گئے اور شدید سردی ہونے کی وجہ سے اس کے دیکھتے ہی دیکھتے پتھرانے لگے بالکل ایسے ہی جیسے تہمینہ کی اپنی زندگی دیکھتے ہی دیکھتے پتھرا گئی تھی۔

وہ کبھی اس برف کے پھول کی طرح تھی ٹھنڈی ٹھنڈی اور نرم سی، پیار کے ہاتھوں میں جھٹ سے پگھلنے والی مگر اب وہ ہاتھوں سے چھوڑ دی گئی تھی اور اپنی نرمی اور سفیدی کہیں پیچھے چھوڑ کر سڑک کنارے جمی ہوئی کالی برف کی طرح، اپنے اُن اچھے دنوں کی یاد میں گم رہتی تھی جب اس کا ایک اپنا بھرا پرا گھر تھا، جس میں نارمل گھروں کی طرح شوہر اور بچوں کی آوازیں گونجتی تھیں۔

کچھ سال پہلے جب وہ اپنی فیملی کے ساتھ سعودی عرب سے کینیڈا آئی تھی تو اس کا گھر خوشیوں غمیوں، لڑائیوں محبتوں، گلے شکووں سے بھرا ہوا ایک عام سا مگر ایک ہی سمت

میں دیکھنے والا گھرانہ تھا۔ پھر نہ جانے کیا ہوا دیکھتے ہی دیکھتے سب کچھ بکھر گیا۔بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کئی شہر کچھ انسانوں کوراس نہیں آتے ،ٹورنٹو بھی اس خاندان کے لئے شائدایسا ہی شہر ثابت ہوا تھا۔

وہ اس نئے ملک میں اپنے آپ کوڈھونڈنے میں ایسی مگن ہوگئی تھی کہ گھر کے باقی تین مکین کس سمت،کس وقت نکل گئے،اسے کچھ خبر ہی نہیں ہوئی۔ جب وہ اپنی ذات سے نکل کر ہوش میں آئی تو بہت دیر ہو چکی تھی ۔اس کی بیٹی نے ہائی سکول کرتے ہی کسی ہندو سے ماں باپ کو یہ لالی پاپ دے کر کہ "لڑکے نے اسلام قبول کرلیا ہے" خاموشی سے شادی رچالی تھی۔

سعودی عرب میں گذارے گئے بچپن نے اس بچی کواسلام کے قریب کرنے کی بجائے ،اُس سے دور کر دیا تھا۔ ،خاص کر کے وہاں عورتوں پر لگائی جانے والی پابندیوں نے اسے مذہب کی گھٹن کا باغی بنا دیا تھا۔ وہ انتہائی چالاکی سے مذہب سے انحراف کے جذبات چھپا تو جاتی تھی،مگر حقیقت یہ تھی کہ کینیڈا آ کر جب اس نے یہاں عورتوں کی آزادی اور خودمختاری کے مزے لئےتو مذہب اسے بالکل ہی ایک بے جان اور کھوکھلی سی چیز لگنے لگ گیا۔اس لئے ماں باپ کی خاطر اس نے صرف کہنے کی حد تک کہہ دیا کہ لڑکے نے اسلام قبول کرلیا ہے حالانکہ اسکے "کہنے" سے نہ لڑکے کوفرق پڑتا تھا اور "نہ کہنے" سے نہ لڑکی کوفرق پڑتا تھا۔تہمینہ کووہ دن اچھی طرح یاد تھا جب وہ عورتوں کی آزادی اور خودمختاری پر ایک "آنکھیں کھول دینے" والا سیمنار اٹینڈ کر کے آ رہی تھی اور ابھی راستے میں ہی تھی کہ اس کی بیٹی کی کال آ گئی تھی کہ" ماما میں نے راہول سے شادی کر لی ہے۔"

بیٹی ماں باپ کے رویے سے سخت نالاں ہو چکی تھی اور گھر تو وہ کئی دنوں سے نہیں آ رہی تھی اور اب مستقل نہ آنے کی وجہ بتا رہی تھی۔اس کے گھر چھوڑنے کا قصہ کچھ یوں تھا

کہ اس میں بھی اس کے شوہر نے بعد میں قصور تہمینہ کا ہی نکالا تھا۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ ایک دن تہمینہ اور اسکا شوہر حسبِ معمول بہت بری طرح لڑ رہے تھے اسے شکایت تھی کہ وہ اسے وقت نہیں دیتا ۔سعودی عرب میں تو پارٹیاں اور شاپنگیں چلتی رہتی تھیں مگر یہاں نہ اس طرح کی پارٹیاں ،نہ میل ملاپ اور نہ شاپنگ کے لئے پیسے۔۔وہ چلا رہی تھی:

"میں گھر میں سارا سارا دن کیا کیا کروں کیونکہ تمھارے پاس تو اب میرے لئے ایک گھنٹہ بھی نہیں ہوتا، چلو وقت نہ دو، کھلے پیسے ہی دے دو تا کہ میں سعودی عرب کی طرح یہاں بھی شاپنگ کرتی رہوں،مگر اب تو وہ بھی نہیں ۔"

"جاؤ باہر جا کر انگلش کی کلاسیں لو، ان کے لئے تمھیں پیسوں کی بھی ضرورت نہیں،مفت کے سیمنار اٹینڈ کیا کرو۔ یہاں کی عورت کو دیکھو، کماتی بھی ہے اور تم لوگوں کی طرح سر پر سوار بھی نہیں رہتی ،تم لوگ تو پتہ نہیں کیا چاہتی ہو،خوابوں کی دنیا میں رہنے والی بے عملی عورتیں۔۔۔"

"تو اب میں تمھارے سر پر سوار ہوں؟ اب میں بے عملی ہوں جب میں جاب کرنا چاہتی تھی تو تم کہتے تھے بچے چھوٹے ہیں اور اب۔۔"

"تب بچے چھوٹے ہی تھے،تمھاری ضرورت گھر کو ہی تھی ،مگر تم سے تو وہ بھی ٹھیک سے نہیں ہو سکا،خود بھی بے لگام بچے بھی ہاتھ سے نکل گئے" شوہر نے غصے سے گلاس میز پر پٹکتے ہوئے کہا،شیشے کا گلاس تھا، اتنا غصہ سہہ نہ سکا اور ٹوٹ گیا۔ بیٹی گھبرا کر کمرے سے نکل آئی،

"پاپا آپ ایسے گھر میں غل غپاڑہ نہیں کر سکتے ،آپ ماما کو ڈرا دھمکا نہیں سکتے ۔"

تب اس کی بیٹی نے حقوقِ نسواں پر اسکے ساتھ مل کر آواز اٹھائی تھی۔۔

یہ سنتے ہی باپ آپے سے باہر ہو گیا، بیٹی کو بھی خوب گالیاں دیں اور بچی اسی دن گھر چھوڑ کر چلی گئی تھی۔۔

باپ نے بعد میں بڑی منتیں کی، فون پر سمجھایا بھی کہ،

"بیٹی میں اپنی اتنی اچھی نوکری چھوڑ کر یہاں تم لوگوں کی خاطر مزدوریاں کر رہا ہوں، سعودی عرب کی ساری جمع پونجی ادھر دھڑا دھڑ لگ رہی ہے، یہاں اتنی محنت کرتا ہوں، پھر بھی ایک پیسہ بچانا تو دور کی بات ہے روزمرہ کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں، اوپر سے تمھاری ماں کچھ سمجھتی ہی نہیں، وقت اور پیسہ مانگتی ہے، بتاؤ اس ملکہ عالیہ کے لئے کہاں سے لاؤں اب یہ دونوں سوغاتیں، بس اسی پریشانی میں تمھیں برا بھلا کہہ دیا، مجھے معاف کر دو اور واپس آجاؤ۔۔"

"نہیں پاپا آپ اور ماما تو پہلے بھی ایسے ہی لڑتے تھے، میرا بچپن آپ کی لڑائیوں سے بھرا پڑا ہے مگر اب میں بڑی ہو گئی اور اور اگر بالغ ہونے کے بعد بھی میں اپنے لئے جہنم کا راستہ چُنوں تو میں احمق کہلاؤں گی۔ جب تک میں بے بس بچی تھی وہ میری قسمت تھی مگر اب میں باشعور بالغ ہوں اب یہی غلطی کروں تو یہ میری بدقسمتی نہیں بلکہ بدعقلی ہوگی، اس لئے بہتر ہے کہ آپ لوگ مجھے معاف کر دیں اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں اور ہاں آپ کو ہماری خاطر مزدوریاں کرنے کی بھی ضرورت نہیں، کم از کم میرے لئے نہیں۔"

اس دن کے بعد سے اس نے کبھی فون بھی نہیں کیا تھا اور پھر بس یہ فون جس میں اس نے اپنی ایک ہندو کے ساتھ شادی کا بم پھوڑا تھا۔

انسان مالی پریشانی کا پُل پار کر سکتا ہے مگر بچوں کی ایسی حرکتیں انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتیں۔ اور باپ کو تو یوں لگا جیسے عزت سرِ بازار نیلام ہو گئی ہو، جیسے اب وہ کبھی بھی اپنی پاکستان کی فیملی یا کمیونٹی میں منہ دکھانے کے قابل نہیں ہوگا۔ اس بدنامی سے گھبرا کر وہ مزید

چڑچڑا ہو گیا اور اب وہ ہر وقت بچی کی غلط تربیت کا سارا الزام اس پر دھرتا رہتا تھا۔ وہ اسے ایک خودغرض اور ذات کی قیدی عورت سمجھنے لگ گیا تھا بیٹی کے اس طرح چلے جانے کے بعد وہ بھی شوہر کو کوسنے دینے سے باز نہ آتی تھی، اسے لگتا اب اس کے پاؤں میں نہ بچوں کی زنجیر ہے اور نہ اب کوئی کسر باقی رہ گئی ہے۔

جب وہ بیٹی کی تربیت کی بحث میں الجھے ہوتے تھے تو وہ بھول جاتے تھے کہ ابھی اس گھر میں ایک جوان بیٹا موجود ہے، اس کے سامنے تھوڑی دیر کو ہی خاموش ہو جائیں مگر عادتیں ایسے تھوڑی جاتی ہیں۔ سعودی عرب میں لڑائی کے دوران تہمینہ اکثر اپنے شوہر کے غصے کو نظرانداز کر کے خاموش ہو جایا کرتی تھی، یا لڑائی میں ہار مان کر جلدی سے معافی مانگ لیتی تھی۔ مگر اب تو اس کے اندر اپنے شوہر سے زیادہ غصہ بھر گیا تھا۔

"امی کم از کم آپ ہی چپ کر جایا کریں۔۔" ایکدن بیٹے کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو گیا تھا۔

" کیوں میں کیوں چپ کروں؟ میں غلام ہوں اسکی۔۔ خریدا ہے اسنے مجھے؟ امی کے اندر حقوقِ نسواں کوٹ کوٹ کر بھر چکے تھے اب وہ کہاں خاموش رہنے اور کچھ سہنے والی تھی۔

"امی۔۔ خدا کے واسطے۔۔" بیٹا کانوں میں ہیڈفون لگا کر غصے سے اپنے کمرے میں چلا جاتا تھا۔

اور پھر ایک دن وہ بھی ان دونوں کو یونہی لڑتے جھگڑتے چھوڑ کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس گھر سے چلا گیا۔ وہ اور اس کی گوری گرل فرینڈ دونوں یونیورسٹی کے ساتھ پارٹ ٹائم جاب کرتے تھے۔ یعنی دونوں خودمختار و خودکفیل تو کیوں ایسے جہنم میں رہیں؟۔

"امی میں نے اور شیرلی نے سوچا ہے کہ ہم اکٹھے رہیں گے۔ خرچہ بھی شیئر کریں

گے۔" اس نے بھی بہن کی طرح ماں کو صرف اطلاع ہی دی تھی۔

"ایسے ساتھ رہنا گناہ ہے بیٹے شادی کرلو۔"

اب تو اسنے یہ بھی نہیں کہا تھا کہ لڑکی مسلمان نہیں صرف اتنا کہا کہ شادی تو کرلو۔۔۔

"وہ دیکھ لیں گے امی شادی کرنی ہے یا نہیں۔ گناہ ثواب کا نہیں پتہ مگر اس گھر کے جہنم سے دور ثواب نہ بھی ملے تو اذیتیں نہیں ہونگی یہ مجھے پکا پتہ ہے اور شادی سوچ سمجھ کے کروں گا تاکہ میرے بچے اس اذیت سے نہ گزریں جن سے ہم گزر رہے ہیں۔"

اور وہ ہکا بکا بیٹے کا منہ تکتی رہ گئی تھی۔۔

اس کے اور اسکے شوہر کے درمیان کبھی بھی انڈرسٹنڈنگ نہیں تھی۔ وہ جب جوان تھی اور آزاد پنچھی کی طرح اڑنا چاہتی تھی تو وہ خوفزدہ اور دقیانوسی خیالات کا آدمی اسے سعودی عرب میں مذہب کی اور ثقافت کی زنجیروں سے باندھ کر رکھتا تھا۔ اور اب جب وہ درمیانی عمر میں تھی تو کینیڈا لا کر کہہ رہا تھا کہ سیمنار اٹینڈ کرو اور مغرب کی عورتوں کی آزادی اور خوداعتمادی کی مثالیں دے رہا تھا۔ اب اسے وقت کے ساتھ بھاگنے کا حکم مل گیا تھا۔ نہ بھاگتی تو گھر کے کونے میں پڑا ہوا ایک ناکارہ سامان ہوتی۔ اس ڈھونڈ میں اور بھاگم دوڑ میں بچے تو گھونسلے سے پھُر کر کے اڑ گئے اور وہ شوہر کی خواہش کی تکمیل میں نہ چاہتے ہوئے بھی بھاگنے لگی۔

بچوں کی زنجیریں بھی جب پاؤں سے نکل گئیں تو جوانی کی تتلیاں اسکے اندر پھر سے اڑنے لگیں اور بھاگتے بھاگتے وہ بھی اڑنے لگی۔ اس پر شوہر بوکھلا گیا۔ اب اس عورت کو قابو میں رکھنے کے لئے نہ بچوں کی دھمکی باقی بچی تھی اور نہ ہی وہ سعودی عرب میں تھا،

"ناحق بھاگنے کا مشورہ دیا۔"

اب تہمینہ جو سیمنار اٹینڈ کرتی تھی اس میں عورت اپنی ذات کی خوشی کے علاوہ کسی اور

کو خوشی دینے کی پابند نہیں تھی۔ ہاں اگر وہ خود کو خوش کر سکے تو اس روانی میں راستے میں آنے والے رشتوں کو بھی اس سے خوشی مل جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر عورت خود ہی خوش نہیں تو کسی کو کیا خوشی دے گی بس اس کے لئے اپنی خوشی سب سے زیادہ مقدم ہونی چاہیئے۔ یہ سیکھ کر تہمینہ کو اب مذہب اور ثقافت کی زبان میں قربانی، ایثار اور رواداری سمجھانا ناممکن تھا۔ نرم پھول، پتھرا چکا تھا اور ایسا شوہر صاحب نے اپنے ہاتھوں سے کیا تھا۔

اور ایکدن اس کی ایسی ہی آزادانہ حرکتیں دیکھ کر جب اس کی مشرقی غیرت جاگی تو اس نے بیوی پر ہاتھ اٹھا دیا، مگر وہ پہلے جیسی تہمینہ نہیں تھی جو خاموشی سے تھپڑ کو پی جاتی، اس نے ایک منٹ ضائع کئے بغیر 911 کو کال کر دیا تھا اور بس وہ ان کے اس ٹوٹے پھوٹے رشتے کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا تھا۔

اب وہ اکیلی رہتی تھی۔ اس اپارٹمنٹ میں جب وہ اکیلی منتقل ہوئی تھی تو شروع شروع میں سالوں کی گھٹن کو خوب مزے لے لے کر زندگی سے نکالا تھا اور آزادی کے ایک ایک لمحے کو شہد کی طرح روح میں اتارا تھا۔ طلاق کے بعد ملنے والے ماہانہ پیسے اتنے نہیں تھے کہ اس کے بڑھے ہوئے عیاشانہ اخراجات پورے ہو سکیں اپنے شوہر کو دکھانے کے لئے (کہ اسکے بغیر بھی اچھی زندگی گذر سکتی ہے) اس نے مہنگا اپارٹمنٹ، مہنگی گاڑی اور مہنگا فرنیچر lease پر لے لیا تھا۔ اور ان اخراجات کو پورا کرنے کے لئے ایک ہمدرد نے اسے جو راستہ دکھایا تھا وہ راستہ بظاہر آسان مگر اس کی منزل کانٹوں بھری تھی، پیسوں کے حصول کا سہل اور شارٹ کٹ طریقہ۔۔۔۔ پاکستان میں ہوتی تو کسبی، فاحشہ یا ویشیا کہلاتی مگر یہاں کینیڈا میں "خودمختار" کہلائی جانے لگی۔

اب وہ کالی برف کی طرح پوشیدہ اور خطرناک صورت اختیار کئے، اپنی کمیونٹی سے دور دور پتھرائی بیٹھی رہتی تھی۔

اسے پاکستانیوں کی بال کی کھال اتارنے اور دوسروں کی زندگیوں میں مداخلت کرنے کی عادت بڑی زہر لگتی تھی۔ کہاں وہ اپنے لوگوں کے لئے ترستی تھی اور اب کہاں وہ انہیں دیکھ کر نظریں چرا لیتی تھی جیسے وہ ان سب کی مجرم ہو۔ اسے وقت سے بھی بڑا اگلا رہتا تھا کہ جب اسکی جوانی شیرے کی طرح ٹپکتی تھی تب وہ پابندِ سلاسل تھی، آج بیڑیاں کھول دی گئیں تو جوانی کا شیرہ سوکھ چکا تھا۔ اب کچوری گالوں سے شیرے کا رس نہیں بلکہ سوکھی مرونڈیاں نکلتی تھیں۔ پٹھان عورتوں کی جوانی تو ویسے بھی چار دن کی چاندنی ہوتی ہے۔ گو کہ کینیڈا میں بھی سدا جوان رہنا مشکل ہو سکتا ہے مگر جوان نظر آنا قطعاً مشکل نہیں تھا۔ اسلئے وہ اپنے آپ کو سمجھاتی کیا ہوا وہ جوان نہیں رہی تھی مگر جوان نظر تو آ سکتی تھی، یہ بھی اسی ملک کا کمال تھا۔ اور وہ آسمان کی طرف چہرہ کر کے لمبی تازہ ہوا پھیپھڑوں میں بھرتی اور کہتی:

"آئی لو کینیڈا۔۔"

اب تو اس نے بال بھی ہلکے سنہری رنگوا لئے تھے، نہ سفید بالوں کا بانس رہے گا نہ ڈھلتی عمر کی بانسری بجے گی۔ آنکھیں ایک ایسی چیز ہوتی ہیں جن کے نیچے عمر کی لکیریں میک اپ میں کامیابی سے چھپالی جائیں تو ان کی خوبصورتی جوانی والی نظر آ سکتی ہے۔ اسکی بڑی بڑی آنکھیں جن پر اس نے اب مصنوعی لمبی پلکیں جمالی تھیں اور فاؤنڈیشن کی گہری تہوں میں ٹھوڑی کا بدلتا رنگ بھی چھپ جاتا تھا اور ماتھے کی جھریاں بھی۔ پیسہ ہونا چاہئے، جلد کو لٹکنے سے بچانے کے اب ایک سو ایک طریقے آ چکے تھے اور اسے بڑی امید تھی کہ وہ جسم کے کسی حصے کو ڈھلکنے نہیں دے گی۔ اس کوشش میں وہ پیسہ پیسہ بچا کے رکھتی جیسے بنک کے سیونگ اکاؤنٹ میں پیسہ نہیں عمر کو قید کر رہی ہو۔ اس پیسے کی وجہ سے ہی تو وہ ڈھلتی عمر کو ہاتھوں میں تھامے ہوئی تھی۔ بچوں اور خاوند کے جانے کے بعد اسکے دل میں" چلے جانے" کا خوف ٹھہر سا گیا تھا۔ اس لئے وہ پیسے اور عمر کو جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔ یہ کوشش بڑی

غیر فطری اور غیر معمولی تھی، اور اس سے اُس کے بدن میں تھکاوٹ اترتی جا رہی تھی اور وہ شکست خوردہ اور مضمحل لگتی تھی۔

کبھی کبھی وہ تھک کے سوچتی کہ اس کی زندگی کیسی بیابان اور بنجر زمین ہو گئی ہے، لوگ آتے جاتے ہیں مگر کوئی رکتا نہیں۔ سب پل دو پل کے، اپنی اپنی غرض کے ساتھی، آتے تو اپنے سارے غم اسے تھما دیتے تھے، جاتے تو پلٹ کر دیکھتے بھی نہ تھے، مگر کوئی ایسا ساتھی نہیں تھا جس کے کندھے پر سر رکھ کر وہ بھی دو گھڑیاں رو سکے۔ وہ صرف سفید، نرم پھول جیسی لوگوں کی نگاہوں کے آگے اڑتی پھرتی، کھلکھلاتی، یہی تو اب اس کی روزی روٹی تھی۔ ڈھکی چھپی کالی سخت برف جیسی زندگی کو یاد کرتے ہوئے وہ کچھ دیر کے لئے یہ فراموش ہی کر بیٹھی کہ وہ کون ہے اور اس وقت کہاں کھڑی ہے یہاں تک کہ خاموش آنسو اس کی گالوں سے تیرتے ہوئے اس کی گردن تک آ پہنچے تو ان کی سرسراہٹ سے وہ ایک دم جیسے نیند سے بیدار ہو گئی اور کیا دیکھتی ہے کہ ایک آدمی کالی برف سے پھسل کر گر گیا ہے، ایک دفعہ گرتا تو کوئی بات بھی نہیں تھی مگر وہ کھڑا ہوتا اور پھر گر جاتا بار بار گرنے کا انداز ایسا تھا کہ تہمینہ کی بے اختیار با آواز ہنسی نکل گئی۔ مگر جب وہ کافی دیر تک نہیں اٹھا تو اسے تشویش ہوئی کہ کہیں زیادہ چوٹ نہ لگ گئی ہو۔۔ وہ ہنسی روک کے پریشانی بھرے انداز سے ستھری انگریزی میں چلائی:

" سنیئے آپ کو زیادہ چوٹ تو نہیں لگی۔۔ کسی مدد کی ضرورت ہے؟"

آدمی نے وہیں لیٹے لیٹے، سر اٹھا کر اس بالکنی کی طرف دیکھا جہاں سے پہلے ایک کھنکتا ہوا قہقہہ اور پھر یہ سوال برآمد ہوا تھا، وہاں ایک ادھیڑ عمر دلکش عورت کھڑی تھی، جس کا جسم کوٹ میں اور سر سکارف میں لپٹا ہوا تھا اس کے باوجود اس کی تیز نظریں پہچان گئیں کہ وہ کوئی دیسی ہی تھی سو اس نے بھی اپنی آنکھوں کو شرارت اور شکائت سے بھرتے ہوئے کہا:

"آپ تو ہنس رہی تھیں، محترمہ! کسی گرے ہوئے پر ہنستے نہیں"۔ وہ اردو میں ہی بولا تھا کیونکہ جانتا تھا سنہرے بال اور میک اپ کے گورے غلاف کے نیچے اپنی ہی مٹھائی ہے۔

"اچھا میں نے تو سنا تھا گرے ہوئے پر ہنس لیتے ہیں گرے پڑے پر نہیں۔۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔۔تہمینہ کا تہہ کیا ہوا پیٹ ہنسی کے دورے میں پھر سے اس کے کالے کوٹ سے باہر چھلکنے لگا۔

آدمی جو بار بار پھسلنے کے بعد اب کالی برف سے اپنے پاؤں ہٹانے اور جم کر کھڑا ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا، نے چونک کر اس خاتون کو دیکھا اور سوچا،

"بڑی ٹائٹ پٹاخہ ہے"۔

آدمی جو یقیناً اس سے عمر میں کئی سال چھوٹا تھا اب بڑی گہری نظروں سے تہمینہ کا جائزہ لے رہا تھا۔ تہمینہ کا فلیٹ تیسری منزل پر تھا، اس لئے اسے آدمی کے نقوش صاف نظر آ رہے تھے۔ ویسے بھی قریب کی نظر عمر کی وجہ سے کمزور ہو گئی تھی، دور کی تو اسکی ہمیشہ سے ہی تیز رہی تھی۔ آدمی کا صاف کھلتا ہوا رنگ، ستواں ناک اور اس کے نیچے کھنچے لمبے پتلے ہونٹ اسے صاف نظر آ رہے تھے۔

ابھی وہ اسکی آنکھوں کو غور سے دیکھ ہی رہی تھی کہ آدمی وہیں سے چلایا،

"اب میری بے بسی پر ہنسی ہیں تو اس مفت کی تفریح کے دام بھی چکائیے۔۔"

"کیا مطلب۔۔؟ اس نے مصنوعی حیرت سے اپنی آنکھوں کو اور بھی پھیلا دیا۔۔

یہ طریقے وہ تب استعمال کرتی جب وہ کسی بھی نئے شکار کے ساتھ ہوتی تھی۔۔ کبھی مصنوعی حیرت اور معصومیت سے آنکھوں کو نشیلا سا کر کے پھیلا دینا، کبھی کھلکھلا کر ہنس دینا (کیونکہ اس نے کہیں پڑھ رکھا تھا کہ ہنستے ہوئے انسان اپنی عمر سے بہت چھوٹا نظر آتا ہے) پھر کبھی کبھار گاہک کے مزاج کے مطابق مصنوعی اداسی کا خول، اور شوہر کی من گھڑت

بے وفائی کے قصے، لیکن زیادہ تر تو وہ دوسروں کی ہی رام لیلائیں سنتی تھی، یہ سب مل ملا کر اس کے پیشہ ور ہتھیار تھے۔۔ مگر ابھی یہاں اس نے ترکش کا پہلا ہی تیر نکالا تو محسوس ہوا کہ مقابل اتنا اناڑی ہے کہ فوراً ہی چاروں شانے چِت ہو گیا ہے۔

"مجھے اتنی سردی میں کچھ چائے یا کافی پلائیں۔" اجنبی نے اسے اپنی گہری آنکھوں میں غوطہ لگواتے ہوئے اپنا مطالبہ پیش کیا۔

"میں اجنبیوں پر بھروسہ نہیں کر سکتی، اکیلی رہتی ہوں کوئی رسک نہیں۔

کہنے کو تو اس نے کہہ دیا مگر اندر سے تہمینہ کا دل کر رہا تھا کہ ایک منٹ سے بھی پہلے اس شکار کو اوپر بلا لے، کیونکہ آج اس کا دن بالکل خالی تھا، نہ کسی نے اپارٹمنٹ میں آنا تھا نہ اس نے کہیں کسی کے ساتھ جانا تھا۔ اور اب تو بہت سارے دن ایسے ہی بے کاری میں گزر جاتے تھے۔ اس کے "ہمدرد" کی تو کوشش ہوتی تھی کہ اس کے ساتوں دن مصروف گذریں مگر اب لاکھ کوششوں کے باوجود ڈھلتی عمر کے ساتھ کاروبار میں بھی فرق پڑ رہا تھا۔ اور گاہکوں کو کاروباری انداز سے پھنسانا مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ پھر مسٹر ہمدرد کی کمیشن، اس طرح تہمینہ کے ہاتھ بہت کم پیسے آتے تھے۔ اس لئے زیادہ تر وہ "ہمدرد" کی بجائے اپنے ایسے ہی گھریلو طریقوں والے گر آزمانے لگ گئی تھی۔ سوشل میڈیا پر بھی اب اسے خود ہی کافی ہاتھ پاؤں چلانے پڑتے تھے مگر ایسے ملنے والے اکثر کھوکھلے، منہ زبانی کی عیاشی والے ایسے قناعت پسند عاشق نکلتے تھے، جن کی تسلی اب غیر عورتوں سے روکھے "ہوائی رابطوں" میں ہی ہو جاتی تھی اور باتیں بھی وہ جن میں ہاتھ تک تھامنے یا آنکھوں میں دیکھنے کی بھی نوبت نہ آئے۔۔ بس دیوار پر لٹکے بے نام سے، کھوکھلے، سرد جالے کی طرح جنہیں بس بُنتے جاؤ اور بے کار میں الجھتے جاؤ اور اسی الجھن میں ان کی ساری مردانگی نکل جاتی تھی۔۔ تہمینہ کو ایسے مرد زہر لگتے تھے جو صرف ڈھول کی طرح اپنے آپ کو ہی بجاتے رہتے تھے، نامرد کہیں کے۔۔ اس کا بس چلتا تو ایسے آدمیوں کو دنیا سے غائب کروا دیتی کیونکہ ایسے

زخموں کی وجہ سے اس کا قیمتی وقت برباد ہوتا تھا۔

"ارے سوچوں سے نکلیں ۔۔سوچیں ہی سوچیں تو نو موجیں ۔" ۔ وہ شرارت سے بازار کے لونڈوں کی طرح بولا۔۔

"ہائے ۔۔۔۔کتنے عرصے بعد اپنی زبان میں ٹھرک کی کوئی بات سنی تھی ۔ وہ بھی جوان مرد سے اور جو اس سے چائے مانگ رہا تھا اور جس کی آنکھیں چیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں :

"مجھے سردی لگ رہی ہے مجھے گرم کر دیں"

دماغ نے کہا اس کی آنکھوں کو دھیان سے پڑھو ان میں گرمی کے بدلے " کوئی بھی معاوضہ " دینے کا عندیہ بھی ہے یا نہیں؟۔۔

دماغ نے سمجھایا معاوضہ دینے کو تیار تو ہے مگر اپنی ہی کمیونٹی کا ہے ، بدنامی نہ ہو جائے ، اسے اپنے لوگوں میں نیک نامی کی بڑی پرواتھی ۔اس بلڈنگ میں کچھ ہی پاکستانی فیملیز تھیں مگر جو بھی تھیں ان کے زیادہ تر شوہر مڈل ایسٹ میں تھے اور وہ یہاں بچاریاں اپنے بچوں کو تنہا پال رہی تھیں ۔ گو پیسے کی کوئی کمی نہ تھی مگر ایسے ملکوں میں بچے اکیلے پالنا کون سا آسان کام ہوتا ہے ۔اس لئے تہمینہ ان عورتوں سے بھی دور ہی رہتی تھی ۔شوہروں کے بغیر عورتیں تو اور بھی دوسرے لوگوں پر نظر رکھتی ہیں ، شوہر ساتھ ہوں تو ان کی جاسوسی میں لگی رہتی ہیں اور کسی اور طرف دھیان کم ہی دیتی ہیں ، اس لئے تہمینہ ان سے دور ہی رہتی تھی ۔

"اس پاکستانی آدمی کو اپنے اپارٹمنٹ میں پیسوں کی خاطر بلانا ٹھیک ہوگا یا نہیں ۔۔۔نہیں بلاتی ۔۔اس نے خود سے کہا۔۔"

اور وہ کہہ رہا تھا،" محترمہ میں آپ کو کھا نہیں جاؤں گا اور ذو معنی ہنسی ہنستے بولا اللہ قسم صرف چائے پیئوں گا ، اور کچھ نہیں کھاؤں گا" .

اس نے اپنی تنہائی کی بات جان بوجھ کر اس اجنبی سے کی تھی ، تاکہ وہ کچھ بھی کہنے

میں خود کو آزاد محسوس کرے ۔۔اور نتیجہ بالکل اس کی امنگوں کے مطابق آ رہا تھا۔۔

وہ اب بڑی گھاگ ہو چکی تھی ، میک اپ نے صرف اس کی جھریوں کو ہی نہیں اس کے تاثرات کو بھی اپنے اندر چھپا لیا تھا۔ جو وہ دکھانا چاہتی بس وہی آدمی دیکھ پاتے مگر یہ آدمی تو اس کی میک اپ کی تہوں میں گھسا ہی چلا آ رہا تھا۔۔۔

" پھر کبھی سہی ۔۔۔" یہ کہہ کر وہ ایک شانِ بے نیازی سے بالکنی سے اندر چلی گئی ۔۔

وہ تھوڑی دیر وہاں بالکنی کا دروازہ کھلنے کا انتظار کرتا رہا اور جب وہ نہیں کھلا تو بلڈنگ کے صدر دروازے سے داخل ہو کر فلور ون کے اپارٹمنٹ 101 کا بزر دبانے لگا۔۔۔

دوسرے ہی لمحے گھرر کی آواز آئی اور وہ بلڈنگ کے اندر داخل ہو گیا۔آج بہت دنوں بعد وہ یہاں آیا تھا۔

" شارق !بہت دنوں بعد آئے ہو،" ۔

اس کے اندر داخل ہوتے ہی ایک جوان سالہ عورت نے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا

۔۔

'ہاں بس کام کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہتا ہوں ، جب سے نوکری گئی ہے میں تو قلاش ہو گیا ہوں ، کیا کروں تمھاری طرح کسی امیر ارب پتی کی بیوی نہیں ہوں نا" ۔اس نے سجی سنوری عورت کو اپنے ساتھ بھینچتے ہوئے کہا۔

" شکر کرو کسی ارب پتی بڈھے کی بیوی نہیں ہو ورنہ میری ہی طرح اکیلے ہوتے ، اور لوگوں کا وقت اور محبت خریدتے ۔" عورت نے اداس نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا،

" ارے میری جان اکیلی کہاں ہو؟ ہم ہیں نہ تمھارے غلام ، تمھاری آنکھ کے ایک اشارے پر تمھارے قدموں میں اپنی جان لٹا دیں ۔تم بس مجھ پر اعتبار کرو اور اپنے سارے غم میری جھولی میں ڈال دو اور بس بے فکر ہو کہ زندگی کے مزے لو۔"

شارق نے عورت کے نیل پالش سے رنگے خوبصورت نازک ہاتھوں کو آنکھوں

سے لگاتے ہوئے کہا۔

"تمھاری انہی باتوں سے تو میں زندہ ہوں، شکر ہے تم میرے ساتھ ہو۔ اور مجھ سے اتنا پیار کرتے ہو۔ اسی لئے تو سب کچھ تم پر لٹا دیا ہے ورنہ میرا شوہر تو مجھے اِدھر بچوں کی آیا بنا کر بھول چکا ہے"

"جانِ من! وہ مڈل ایسٹ میں عیش کر رہا ہوگا، تم یہاں اس کی یاد میں کڑھ کڑھ کر اپنا اور میرا وقت برباد کرتی رہو گی... تُو پیار ہے کسی اور کا تجھے چاہتا کوئی اور ہے۔۔۔۔ تو پسند ہے کسی اور کی، تجھے مانگتا کوئی اور ہے۔۔"

اب شارق لہک لہک کر گانے لگ گیا۔ سکول کالج کے زمانے سے ہی لڑکیاں اس کی آواز پر مرتی تھیں اور اس گانے کی وجہ سے اس کے فلرٹ کے بہت سے مرحلے آسان ہو جایا کرتے تھے۔ آج بھی کسی مشکل تالے سے پالا پڑ جاتا تو اسے کھولنے کے لئے یہی گانے کی چابی کام آتی تھی۔

اور اب بھی کتنی سہولت سے اس کا کام ہو گیا۔۔۔۔

دو تین گھنٹے بعد جب وہ اس اداس اور تنہا حسینہ کی پیاس بجھا کر واپس جا رہا تھا تو لاشعوری طور پر اس کی نظریں اُسی بالکنی کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ ادھیڑ عمر عورت وہیں کھڑی تھی مگر اب وہ دوسری طرف والی ریلنگ پر جھکی ہوئی تھی۔

اسے یکا یک احساس ہو گیا کہ یہ عورت بھی بہت تنہا ہے اور اس کا دل کیا وہ اس عورت کی بھی تنہائی بانٹ لے۔ اس کے بس میں ہوتا تو وہ ایسی تمام عورتوں کی تنہائی بانٹ لیتا۔ اس کا نازک دل کسی کو بھی تکلیف میں دیکھ کر بے چین ہو اٹھتا تھا۔۔

اس نے 101 والی فرخ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس ہفتے روز آیا کرے گا۔ نوکری نہ ہونے کی وجہ سے اس کے پاس فراغت تھی اور پارٹ ٹائم بچوں کو کرکٹ کلب میں ٹریننگ دینے والا کام بھی بس ایسے ہی تھا کہ کبھی اسے بلا لیا جاتا اور کبھی نہیں۔ کینیڈا میں کرکٹ سیکھنے

والے بچوں کی تعداد ابھی اتنی نہیں تھی کہ کلب زیادہ ٹرینر رکھے بس اسے ہی گھسیٹ رہے تھے۔۔ ایسی بے روزگاری میں اس کا دل مزید لوگوں کے دکھوں پر نازک ہو جاتا تھا۔ ایسی قدرت کی طرف سے فراہم کئی گئی فراغت میں اگر وہ فرح جیسی تنہا عورتوں کی تنہائی بانٹ لے تو اس سے اچھا وقت کا مصرف کیا ہوگا۔

اگلے دن بلڈنگ کے صدر دروازے پر جانے اور 101 کا بزر دبانے سے پہلے شارق پھر اس بالکنی کے سامنے رک گیا اور دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگ گیا۔ آج برف باری نہیں ہو رہی تھی۔ اور درجہ حرارت بہت گر چکا تھا۔ کل اس کے بالوں کو برف کے سفید پھول چوم رہے تھے، آج وہاں بغیر مفلر یا ٹوپی کے اس کے بال ٹھنڈی چبھنے والی سوئیوں کی طرح ہو رہے تھے۔۔ اس نے مایوسی سے ٹھنڈی آہ بھری اور جانے ہی لگا تھا کہ سخت سردی میں یکا یک بہار آ گئی اور اس بالکنی کا دروازہ ایسے کھل گیا جیسے اس نے آہ نہیں بھری تھی بلکہ کھل جا سم سم کہا تھا۔

اب وہی عورت کالی چادر میں لپٹی اس کے سامنے کسی افسانے کا کردار لگ رہی تھی، اسے دیکھ کر شارق کو احساس ہو رہا تھا جیسے اُس عورت کی آنکھیں ساری رات اُسی کے انتظار میں جلتی رہی ہیں اور سرخ لپ سٹک کے باوجود اُس کے ہونٹوں کا جامنی پن ہر طرف پھیل رہا تھا۔ اس کی چھوٹی سی ناک کی چونچ باہر نکلتے ہی سرخ ہو گئی تھی، اس عورت نے شارق کو ایسی معصومیت اور حیرت سے دیکھا جیسے اٹھارہ سال کی لڑکی کو گلی میں جاتے ہوئے محبوب اچانک روک لے اور جیسے ہی شارق کو اس عورت کے قدم رُکے ہوئے محسوس ہوئے اس نے اپنے قدموں کی رفتار بڑھا دی کہ گاڑی سٹیشن سے نہ چھوٹ جائے اور فوراً بولا:

"دیکھئے اسے آپ کیا کہیں گی؟ دل کو دل سے راہ۔۔ یا۔۔۔۔"

"تنہائی سے فرار میں اسے تنہائی سے فرار کہوں گی۔۔" تہمینہ نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں دنیا بھر کی اداسی بھرتے ہوئے کہا۔

"میرے ہوتے ہوئے؟اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر یوں اپنائیت سے پوچھا جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔

پھر عورت کی طرف ہاتھ پھیلاتے ہوئے انتہائی محبت سے بولا،

"لائیے اپنا اکیلا پن میرے حوالے کر دیں۔۔"

"ارے ارے اتنی سردی میں آپ نے نہ دستانے پہن رکھے ہیں اور نہ ہی مفلر اوڑھ رکھا ہے کیسے بے پرواہ انسان ہیں آپ۔بیمار پڑ جائیں گے۔۔"

وہ مصنوعی پریشانی سے بولی حقیقت میں اب اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کوئی جیئے یا مرے،اس مہینے نہ گھر، نہ گاڑی کسی چیز کی قسط نہیں گئی تھی۔اس کا سابقہ شوہر مستقل طور پر کینیڈا چھوڑ کے دفعان ہو چکا تھا اور یہاں کے قانون کے مطابق طلاق کے بعد اسے جو بھی دیتا تھا،اب اس سے بھی مفرور ہو گیا تھا۔۔" بھگوڑا کہیں کا۔۔"

"خدا گواہ ہے آج تک کبھی کسی نے میری ایسے فکر نہیں کی،آپ کا خلوص دیکھ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے ہیں"۔

شارق نے زبردستی آنکھوں کو نمناک کرنے کی کوشش کی۔۔۔

" آپ اوپر آ جائیں اپارٹمنٹ نمبر 301۔۔"۔

تہمینہ نے یوں ظاہر کیا جیسے اس آدمی کی اسی بات سے متاثر ہو کر اسے اوپر بلا رہی ہے۔۔ابھی بھی وہ اس آدمی کے پاکستانی ہونے کی وجہ سے تھوڑی گھبراہٹ کا شکار تھی مگر یہ رسک تو اب لینا ہی پڑنا تھا، ورنہ تو وہ سڑک پر آ جاتی۔یہ آدمی اسے دیکھنے میں کھاتا پیتا اور معصوم لگ رہا تھا۔زیادہ عمر نہ ہونے کی وجہ سے اتنا گھاگ نہیں ہوگا۔ہوسکتا ہے مستقل ہی انتظام ہو جائے، ہر مہینے گاڑی کی ہی کم از کم قسط دے دے۔۔۔اس نے کئی فلموں میں دیکھ رکھا تھا، جوان لڑکے اپنے سے بڑی عمر کی عورتوں کے عشق میں ایسے مبتلا ہوتے ہیں کہ اپنا سب کچھ ان پر نثار کر دیتے ہیں۔۔" کاش یہ بھی کوئی امیر زادہ ہو اور مجھ پر اپنا سب کچھ

لٹانا شروع کر دے۔۔"

شارق کے اوپر آتے آتے تہمینہ نے شیخ چلی کے بہت سے انڈے تیار کر لئے تھے مگر اس کو سامنے پا کر نجانے کیوں وہ گھبرا سی گئی۔۔

جب سے اس نے یہ کام شروع کیا تھا تو زیادہ تر دوسری کمیونٹی کے مردوں سے ہی پالا پڑا تھا، جہاں بات کم اور بس کام ہوتا تھا۔اگر کوئی دیسی مرد ہوتے بھی تو بوڑھے سے، جو زیادہ تر بس شرمندہ ہو کر ہی چلے جاتے تھے۔یہ پہلا اتفاق تھا کہ اپنے ملک اور اپنی زبان کا آدمی، وہ بھی جوان اور خوبصورت اور جو اس پر بے تحاشا محبت لٹانے کے لئے تیار بیٹھا تھا ۔

" آؤ بیٹھو۔۔" تہمینہ نے سنبھلتے ہوئے کہا اور پہلے خود صوفے پر بیٹھ گئی ،تو وہ بالکل اس کے ساتھ ہی جڑ کر بیٹھ گیا،تہمینہ کی ہتھیلیوں اور ماتھے سے ٹھنڈے پسینہ پھوٹ نکلا، شارق نے بڑے اعتماد سے انگلی عورت کی پیشانی پر آئے قطروں پر پھیری۔۔

" ارے آپ تو بالکل چھوٹی سی بچی لگ رہی ہیں۔"

اس پر تہمینہ نے خود کو بھی بچی بچی محسوس کیا۔اس کا دل کیا وہ شارق سے کہے کہ اس بچی کو وہ بس اپنے سینے میں چھپا لے اور اسے کچھ نہیں چاہیے۔

" آپ کی آنکھوں میں کتنی اداسی ہے۔آپ ہنستی ہیں تو بھی دکھ چھپا نہیں پاتیں۔۔ لائیے اپنے سارے دکھ مجھے دے دیں۔۔۔"

اور تہمینہ اس کی باہوں میں برف کے پھولوں کی طرح پگھلنے لگی۔۔

" آپ کے شوہر آپ جیسی حسین بیوی کو چھوڑ کر مڈل ایسٹ میں پیسہ بنا رہے ہونگے اور آپ یہاں تنہا بچوں کی آیا گیری میں عمر کاٹ دیں گی۔۔۔؟ شارق نے اپنے پرانے تجربے بروئے کار لاتے ہوئے کہا۔

تہمینہ کے لبوں پر الفاظ آ آ کر دم توڑنے لگے اور وہ خاموشی سے آنسو بہاتی رہی

اور اسے خود بھی خبر نہیں تھی کہ یہ آنسو سچے ہیں یا کاروباری؟

"روئیں نہیں، آپ کے آنسو اتنے بے وقعت نہیں ہیں، آپ مجھ پر اعتماد کر سکتی ہیں، میں کبھی بھی آپ کے اعتماد کو دھوکہ نہیں دوں گا۔ میں خود اپنے ہی لوگوں کا ڈسا ہوا ہوں، اپنی کمیونٹی کسی کو نہیں چھوڑتی، بس آپ اپنے راز میرے حوالے کر دیں اور بھول جائیں۔۔میں کبھی بھی آپ کا اعتماد نہیں توڑوں گا۔"

برسوں کی تنہائی تہمینہ کے مساموں سے پھوٹنے لگی اور اس کا سارا جسم ایسے پسینے میں بھیگ گیا جیسے وہ ابھی ابھی نہا کے نکلی ہو۔

وہ دھیمے لہجے میں پیار سے بولتا جا رہا تھا۔

"میں بھی بہت تنہا ہوں۔آج تک کوئی تنہائی کا ساتھی نہیں ملا مگر آپ سے مل کر لگ رہا ہے کہ اب سب غم دور ہو جائیں گے۔۔"

وہ دونوں کافی دیر تک یونہی دنیا و مافیا سے بے خبر ایک دوسرے کی تنہائی اور غم بانٹتے رہے۔جب سارا غم بہہ گیا تو وہ اچانک سے بولی:

"میں طلاق یافتہ ہوں۔۔میرے شوہر مڈل ایسٹ میں بیٹھ کر مجھے پیسے نہیں بھیج رہے بلکہ میں تو۔۔۔

تہمینہ نے زندگی میں پہلی بار کسی گاہک سے اپنی ذاتی زندگی کی بات کی تھی کیونکہ اب ایسے ہی اسے اپنے مدعے پر آنا تھا، اس کو زندگی کے راز میں شریک کر کے، زندگی بھر کا سہارا جو بنانا تھا۔

"ارے واہ پھر تو آپ اور بھی تنہا ہونگی اور کاش میں بھی کسی امیر آدمی کی مطلقہ ہوتا، کینیڈا میں امیر آدمی سے طلاق لینے کا مطلب آزادی کے ساتھ عیش وعشرت کی زندگی ۔۔۔ہے نا؟ آپ کے تو مزے۔۔۔"

اب پتلون چڑھاتے اسے ساتھ ساتھ 101 میں بیٹھی فرح کا خیال آ رہا تھا۔مگر

دل کو تسلی تھی کہ ایک تنہا عورت کے پاس جانے سے پہلے ایک اور تنہا عورت کی تنہائی دور کر دی تھی، نیکی کے اس خیال نے اسے اعتماد اور اس کے دل کو سکون مہیا کیا۔

تہمینہ نے اسے کپڑے پہنتے دیکھا تو کہا:

"اتنی بھی کیا جلدی ہے، ابھی کچھ دیر اور یونہی میرے ساتھ لیٹے رہو اس گھر کی تنہائی مجھے کاٹ کھاتی ہے"۔

"کس کافر کا تمھارے پاس سے اٹھنے کو دل کر رہا ہے مگر مجھے ایک ضروری کام سے کہیں اور بھی جانا ہے۔۔مگر میری جان فکر نہ کر اب تو تمھارے پاس آنا جانا لگا ہی رہے گا، اب تو یہ دروازہ ہم نہیں چھوڑنے والے۔۔مستقل عاشق ہو گئے ہیں۔۔"

شارق نے اپنے سے بڑی عمر کی ایسی کھنڈر اور بے ہنگم عورت کے ساتھ ابھی ابھی گزارے لمحات کو دل سے نکالنے کی کوشش میں کچھ زیادہ ہی الفاظ کا بے دریغ استعمال کر دیا اور سوچنے لگا آپ سے تم اور تم سے تُو ہونے میں وقت ہی کتنا لگتا ہے۔

اور تہمینہ کا دل تو اس کی باتیں سن کر خوشی سے جھوم اٹھا۔اس نے زیرِ لب اللہ کا شکر ادا کیا کہ خرچے کا کچھ تو مستقل انتظام ہوا ہے اور اپنے ہاتھوں پر ابھرنے والی جھریوں کو تکئے کے نیچے چھپاتے ہوئے بولی،

"تم نے تو مجھے زندگی کی سب سے بڑی خوشی دے دی اب میں تمھیں اپنی زندگی کے سارے راز بتاؤں گی۔تمھارے علاوہ میں نے اور کس پر اعتماد کرنا ہے؟ اس کی آنکھیں سچ مچ فرطِ جذبات سے بھیگ گئیں۔۔۔

"میں عام طور پر پانچ سو ڈالر لیتا ہوں مگر آپ دیکھ لیں جو بھی آپ مناسب سمجھیں مگر یہ یاد رکھئے گا کہ آج کل میری نوکری نہیں ہے اور یہاں کے اخراجات اور چھوٹے چھوٹے دو بچوں کو پالنا، میری بیوی بھی کوئی جاب نہیں کرتی بیمار رہتی ہے بس بچے ہی سنبھال لے تو بہت ہے۔

شارق نے ایکدم 440 وولٹ کا جھٹکا دے دیا۔۔وہ حواس باختہ سی اسے دیکھ رہی تھی اور وہ کہے جارہا تھا؛

"تم نے ابھی اتنا پیار دیا اور مجھ پر اعتماد کیا تم یقین مانو میں آج سے تمھارے دروازے کا کتا بن کر تمھاری اور تمھارے رازوں کی حفاظت کروں گا۔، خوشیوں سے تمھاری جھولی بھر دوں گا۔۔لاؤ اپنے سارے دکھ مجھے دے دو۔۔کیش دو گی یا چیک؟

تہمینہ، سفید لٹھے جیسی، یا برف جیسی رنگت لئے بے حس وحرکت اسے دیکھے جارہی تھی۔

اور وہ سوچ رہا تھا اب جلدی سے اسی بلڈنگ میں 101 کو نبٹا کر اس عورت کے پاس بھی آج ہی پہنچ جائے تو کوئی مضائقہ نہیں جس نے کل ہی فیس بک پر چیٹنگ کے دوران اسے بتایا تھا کہ اس کا شوہر اسے گھر میں بٹھا کر بھول گیا ہے اور وہ سارا سارا دن یا بچوں کو دیکھتی ہے اور یا پاکستان کی یادوں میں گم رہتی ہے، جہاں اس کی زندگی تھی، رشتے دار تھے اور دوست تھے اور یہاں اس کا دکھ بانٹنے والا کوئی نہیں اور وہ گھر میں بے کار سامان کی طرح پڑی ہوئی ہے۔۔ایک اور بے کار سامان کو مفید بنانے کے لئے آج ہی اس کے پاس بھی چلے جانا چاہئے۔شارق نے سوچا،

"میرے بس میں ہو تو ایک دن میں کم از کم سو عورتوں کی تنہائی دور کر دوں۔۔"

"یہ سالا تو فاحش، مرد کسبی، طوائفا، رنڈا۔۔۔کیا مصیبت ہے اس نے جھلا کر سوچا ایسا پیشہ کرنے والی عورتوں کے تو اتنے نام ہیں اور ایسے مردوں کے لئے اردو زبان میں ایک بھی نام نہیں۔۔۔ایسی غریب زبان۔

کلیسا میرے آگے

ریحانہ نے چائے کے ساتھ پکوڑے بھی اس کے آگے رکھے تو وہ چونک گیا۔ایسی خدمت گزاری وہ اُسی وقت کرتی تھی جب اس کے دل میں کوئی بڑا طوفان چھپا ہوتا تھا۔ گھبراہٹ میں احمد کا ہاتھ ہلکا سا کانپا اور چائے کپ سے باہر چھلک گئی۔ نارمل حالات ہوتے تو ایسی لاپرواہی پر بیوی نے اس کے پرخچے اڑا دینے تھے۔مگر یہ دیکھ کر احمد کے خوف میں مزید اضافہ ہوا کہ اس حرکت پر بھی وہ صرف خاموشی سے گھور کر کمرے سے نکل گئی تھی۔

عام طور پر جب، وہ تھکا ہارا، آفس سے مختلف محاذوں پر کھیلتا ہوا، گھر کی دہلیز تک پہنچتا ہی تھا تو ہمیشہ اس کا استقبال ایک احتجاجی اور شکایتی ہنگامے سے ہوتا تھا۔ریحانہ کی زندگی کا کوئی، کبھی نہ پورا ہونے والا خواب، دن کا اور دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ بن کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوتا تھا۔مگر آج گھر میں سناٹا اور پراسراری خاموشی تھی۔وہ ہمیشہ سکون کی دعا کرتا تھا، آج سکون تو تھا مگر اسکا دل کیوں دہلا جارہا تھا۔۔

"اللہ کرم کرے اس سکون میں کون سا طوفان چھپا کھڑا ہے؟ میں بھی ہر چیز کو منفی طریقے سے دیکھنے لگ گیا ہوں۔ ہوسکتا ہے آج کچھ ایسا واقعہ ہوا ہو کہ ریحانہ کو اللہ نے احساس دلا دیا ہو، اور اس نے عہد کر لیا ہو کہ وہ کبھی بھی نہیں لڑے گی۔۔" ہوسکتا ہے، ہوسکتا ہے، اللہ بڑا مہربان ہے، معجزے بھی تو دنیا میں ہی ہوتے ہیں۔۔" احمد نے چائے کا گھونٹ